اسلامی تحریک کے
30
بنیادی اُصول
www.KitaboSunnat.com
خلیل الرحمٰن چشتی
الاحسان

خلیل الرحمٰن چشتی

House No.: 644 Main Double Road
N.P.F., Sector E-11/3. Islamabad
Tell: 0092-0300-55-60-900
Email: khaleelchishti@yahoo.com

نام کتاب : .... اسلامی تحریک کے بنیادی اصول

ISBN : 5-77-0000-999

مرتب : .... خلیل الرحمٰن چشتی

پہلا ایڈیشن: .... ستمبر 2019ء

صفحات : 136

قیمت : 200روپے

1 | خلیل الرحمٰن چشتی فون نمبر:0300-55-60-900

2 | ادارہ منشوراتِ اسلامی، ملتان روڈ، لاہور فون:042-78-40-584

3 | ادارہ معارف اسلامی، D-35، بلاک 5، فیڈرل B ایریا، کراچی فون نمبر:0321-384-4511

(021)-3680-9201،(021)-3634-9840

4 | دار الکتب السلفیہ، اقراء سینٹر، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون نمبر0333-433-4804

042-3724-4404،042-3736-1506

5 | مکتبہ تحریک محنت، جی ٹی روڈ، واہ کینٹ، پاکستان فون نمبر:051-453-5334

6 | البلاغ 18 عدنان پلازہ، جی ٹین مرکز، اسلام آباد فون نمبر:051-222-4146/47

البلاغ 16، شالیمار سینٹر، ایف ایٹ مرکز، اسلام آباد فون نمبر:051-228-1420

البلاغ LG-5، لینڈ مارک پلازہ، جیل روڈ، گلبرگ، لاہور فون نمبر:042-3571-7842/3

البلاغ اپل چوک نزد بیریئر نمبر3، شاہ ولی کالونی، واہ کینٹ فون نمبر:051-454-1148

7 | مکتبہ دار السلام، ایف ایٹ مرکز، اسلام آباد 051-2281513

8 | اسلامک پبلیکیشنز، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 042-3541-7074،042-3541-7071

فہرستِ مضامین

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ، وَ نَسْتَعِینُہٗ، وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُضْلِلہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ، وَ نَشْھِدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیراً وَّ نَذِیرا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ خَیرَ الْحَدِیثِ کِتَابُ اللّٰہِ، وَخَیرَ الْھَدِی ہَدیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الْاُمُورِ مُحدَثَاتُھَا، وَکُلُّ مُحدَثَۃٍ بِدعَۃٌ، وَکُلَّ بِدعَۃٍ ضَلَالَۃٍ ، وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ

اسلام کیا ہے؟ تحریک کیا ہے؟ اِقامتِ دین کیا ہے؟ اس کی بنیادی اصول کیا ہیں؟ مختلف ممالک میں لوگ تحریک کا کام کن بنیادوں پر اُستوار کر سکتے ہیں؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں، جن کا جواب تحریک سے وابستہ افراد کو ابتداء ہی میں مل جائے تو وہ بہت ساری غلط فہمیوں سے بچ سکتے ہیں۔

عالم اسلام میں آج مختلف رجحانات ہیں۔ کہیں اعتقادی غلو اور انتہا پسندی کی گمراہی ہے۔ کہیں فقہی تعصب اور تقلیدِ جامد پر اصرار ہے۔ کہیں کلامی مسائل میں بحث و تکرار کا بازار گرم ہے۔ ہر آدمی کا ایک خاص خاندانی اور علمی پس منظر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں ان مختلف رجحانات کی کش مکش بہت گل کھلاتی ہے۔ ایک سیدھا سادہ تعلیم یافتہ مسلمان قرآن و سنت کی اصلی اور ٹھیٹ تعلیمات کی روشنی میں اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اسلامی تحریک سے وابستہ افراد اس متعصبانہ

ماحول میں توازن اور اعتدال کا علم بلند کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو راہِ اعتدال پر گامزن رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان لوگوں کے لیے ایک ایسا رسالہ تیار کر دیا جائے، جو اُن بنیادوں کو واضح کر دے، جس پر اسلامی تحریک کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے اور صراط مستقیم پر سفر کے لیے آسانیاں فراہم کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اس موضوع پر مختلف ممالک میں لیکچر دیئے اور چند بنیادی اُصولوں کی وضاحت کی۔ ان لیکچروں کے نوٹس کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے یہ رسالہ مرتب کیا ہے اور کچھ مزید چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے ، تا کہ بات بالکل واشگاف انداز میں نِکات کی صورت میں سامنے آجائے۔

یہ کل تیس (30) بنیادی اُصول ہیں، جن کی روشنی میں تحریک سے وابستہ افراد اپنے ملک میں، اپنے اپنے مخصوص حالات کے پیش نظر اسلام کی عالم گیر دعوت کے لیے جدو جہد کر سکتے ہیں۔

طالبِ دعائے خیر

خلیل الرحمٰن چشتی

25 شعبانِ معظم 1439ھ

مطابق 10 مئی 2018ء

اسلام آباد

اسلامی تحریک کے بنیادی اصول

اسلامی تحریک کے کارکنوں کے درمیان ہمیشہ یہ بحث جاری رہتی ہے کہ ہم کون ہیں؟ ہماری شناخت کیا ہے؟ دوسرے گروہوں سے ہم کس قدر مشابہت رکھتے ہیں اور کتنا اختلاف؟ اس سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ نچلے درجے کے کارکنوں سے بڑھ کر درمیانی درجے کی قیادت تک بہت سے لوگوں میں اسلامی تحریک کے بنیادی تصورات پوری طرح واضح نہیں ہیں۔ پھر مسلمانانِ عالم بڑے پیمانے پر مختلف وجوہات کی بنا پر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ بعض افراد سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں عرصہ دراز سے بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔ ان کے مسائل مختلف ہیں۔ بعض افراد مغربی ممالک میں شہریت حاصل کرکے مستقل مقیم ہو گئے ہیں، بالخصوص امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جاپان اور یورپ کے کئی ممالک میں جیسے برطانیہ، ڈنمارک، بلجئیم، جرمنی، یونان وغیرہ۔ ان میں عرب بھی ہیں اور غیر عرب بھی۔ آبادی کے اعتبار سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان سے تعلق رکھتی ہے۔ علماء خال خال ہیں۔ عوام کی اکثریت عربی زبان اور بنیادی مصادرِ دین سے ناواقف ہے۔

یہ ناچیز کئی ملکوں کا سفر کرتا رہتا ہے اور مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے تعلقات استوار رکھتا ہے اور ہر ملک کے مخصوص مسائل سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے، چنانچہ ضروری جانا کہ چند بنیادی باتیں سپردِ قلم کر دی جائیں جو مختلف ملکوں میں آباد تحریکی افراد کے لئے رہنما اور مفید ثابت ہوں۔

اُصول نمبر : 1

ا۔ ہم ایک اسلامی تحریک ہیں:

سب سے پہلی بات جو ذہن نشین کر لینی ہے کہ ہم مسلم ہیں۔ اللہ نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے۔ ہم اسلام کے داعی اور مبلغ ہیں۔ ہم میں تحرک کا جذبہ ہے۔ ہم لاالٰہ الا اللہ ، محمد رسول اللہ کی دعوت کو دل و جان سے مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں اور اس دعوت کو ساری دنیا میں عام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک اسلامی تحریک ہیں۔

اسلامی تحریک کی اصطلاح، دو الفاظ سے مرکّب ہے۔ "اسلام" اور "تحریک"۔

(A) اسلام کیا ہے؟:

﴿ اِسْلَامٌ ﴾ کا مطلب بندگی (Submission) اور سپردگی (Surrender) ہے، خالقِ کائنات، خدائے واحد اللہ سبحانہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ ہم بھی ﴿ مُسْلِمٌ ﴾ ہیں اور کائنات کی ہر چیز بھی ﴿ مُسْلِمٌ ﴾ ہے۔ تکوینی دنیا میں بھی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے آگے سرنگوں ہے، اختیاری دنیا میں بھی ہمیں اُسی کے آگے جھکنا ہے۔ فرمایا گیا:

﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾

" آسمان و زمین کی ساری چیزیں، چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے، اللہ ہی کے ﴿ مُسْلِمٌ ﴾ تابع فرمان ہیں اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے"۔ (آلِ عمران:83)

چاند، سورج، ستارے، سیارے، نباتات، جمادات، پرندے، جانور، کیڑے مکوڑے، غرض کائنات کی ہر چیز اللہ کے آگے سر بسجود ہے۔ ہر چیز، ہر عنصر، ہر مرکب، ﴿مُسْلِمٌ﴾ ہے۔

اُسی کے احکامات کی پیروی کر رہی ہے۔ البتہ انسان اور جنّات دو (2) مخلوقات ایسی ہیں، جنہیں خیر و شر کی آزادی (Freedom of Choice) دی گئی ہے۔ ان میں کچھ شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں اور کچھ نافرمانی۔ خود انسان بھی آزادی رکھتے ہوئے، مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔ ہر انسان ایک خاص زمانے میں، ایک خاص ملک اور شہر میں، ایک خاص قبیلے اور خاندان میں پیدا کیا گیا ہے۔ انسانوں میں کچھ لوگ شعوری طور پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ انکار کر دیتے ہیں۔ کچھ مخلوقات ایسی ہیں، جو خوشی خوشی اس کی فرمانبرداری کر رہی ہیں اور کچھ بادل ناخواستہ۔ اسی لئے ﴿طَوْعًا وَّ كَرْهًا﴾ کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ یعنی جبری دنیا میں بھی اس کی اِطاعت ہو رہی ہے اور اختیاری دنیا میں بھی اس کی اِطاعت جاری و ساری ہے۔

بندگی اور اِطاعت قبول کر لینے والوں کا نام، اللہ نے پہلے بھی ﴿مُسْلِم﴾ رکھا تھا اور اب بھی یہی ہے۔

اس روئے زمین پر سب سے پہلے نبی اور پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام، پہلے ﴿مُسْلِم﴾ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، اور آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبھی ﴿مُسْلِم﴾ تھے۔

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ...﴾ (الحج:78)

"اللہ نے پہلے بھی تم لوگوں کا نام ﴿مُسْلِم﴾ رکھا تھا اور اب اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)"

لفظ ﴿مُسْلِم﴾ اور لفظ ﴿اسلام﴾ پر مشتمل مندرجہ ذیل قرآنی آیات پر غور فرمائیے:

(a) اسلام ہی نجات کا ذریعہ ہے:

قرآن نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ جو شخص بھی ﴿ اسلام ﴾ قبول کر لیتا ہے، وہ رشد وہدایت اور نجات پالیتا ہے۔

﴿ اسلام ﴾ ہی روزِ اول سے روزِ آخر تک واحد نجات کا راستہ ہے۔

﴿ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴾ (الجن:14)

"لہٰذا جو شخص بھی ﴿ اسلام ﴾ قبول کر لیتا ہے، وہ رشد وہدایت اور نجات کا راستہ ڈھونڈھ لیتا ہے۔"

(b) مسلم جنّات:

انسانوں کی طرح جنات میں بھی مسلم و کافر ہیں۔ انسانوں کی طرح انہیں بھی خیر و شر کی آزادی (Freedom of Choice) عطا کی گئی ہے۔ ان میں سے بھی کچھ اہلِ جنت ہیں اور کچھ اہلِ جہنم۔ جنّات نے قران سننے کے بعد اعتراف کیا کہ ہم جنات میں سے کچھ ﴿ مُسْلِم ﴾ ہیں اور کچھ ظالم ہیں (یعنی مشرک ہیں)۔

﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ﴾ (الجن:14)

"(اسلام قبول کرنے والے جنات نے کہا کہ): ہم میں کچھ ﴿ مُسْلِم ﴾ ہیں اور کچھ ظالم ہیں۔ (یعنی مشرک ہیں)"

(c) حضرت ابراہیمؑ بھی مسلم تھے:

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے، ان میں حضرت یوسفؑ، بن یمین، لاوی اور "یہودا" بہت مشہور ہیں۔ آگے چل کر بارہ بیٹوں کے نام سے بارہ قبیلے بن گئے۔ پھر یوں ہوا کہ بنی اسرائیل نے اپنے دین کا اصل نام ﴿اِسلام﴾ بھی بھلا دیا۔ اپنے قبیلے کے نام پر "یہودی" کہلائے جانے لگے۔ اپنے مذہب کا نام "یہودیت" رکھ لیا۔ 1000 سال بعد یہی معاملہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیروکار خود کو ﴿مُسْلِم﴾ کہتے تھے، لیکن بعد میں یوں ہوا کہ انہوں نے بھی اپنے دین کا اصل نام ﴿اِسلام﴾ بھلا دیا اور "عیسائی" کہلائے جانے لگے۔ اپنے مذہب کا نام "عیسائیت" رکھ لیا۔

قرآن مجید یہودیوں اور عیسائیوں کو دعوتِ فکر دے رہا ہے کہ تم لوگ غور کرو کہ 2100 ق م میں حضرت ابراہیمؑ کا کیا مذہب تھا۔ یہودیت تو یہودا سے چار پانچ سو سال بعد پیدا ہوئی اور عیسائیت تو 100 عیسوی کے بعد۔ پھر اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک حنیف ﴿مُسْلِم﴾ تھے۔

﴿مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آلِ عمران:67)

"ابراہیمؑ نہ تو (بنی اسرائیل کے) یہودی تھے اور نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک یکسو ﴿مُسْلِم﴾ تھے اور وہ (بنی اسمٰعیل کے) مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔"

(d) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے اسلامی امت کے لئے دعا کی:

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا ﴿مُسْلِم﴾ بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ﴿مُسْلِم﴾ امت پیدا کر۔

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ، وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (البقرۃ:128)

"اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم (مُطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

(e) حضرت لوطؑ کا مسلم گھرانہ:

حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ قوم لوط کے اوپر جب عذاب نازل ہوا تو وہاں صرف ایک گھر کے علاوہ کوئی اور ﴿مُسْلِم﴾ گھر نہیں تھا۔ یہ واحد گھرانہ حضرت لوطؑ کا تھا، جس میں ان کی کافر بیوی شامل نہیں تھی۔

﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الذاریات:36)

"اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا، مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔"

(f) حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام پر مرنے کی نصیحت کی:

حضرت ابراہیمؑ کے پوتے، حضرت یعقوبؑ تھے۔ یہ حضرتِ اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت اسمٰعیل کے بھتیجے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کے بارہ بیٹے تھے، جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔ غور فرمایئے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بارہ (۱۲) بیٹوں کو مرنے سے پہلے کتنی عمدہ نصیحت کی کہ وہ مرنے تک ﴿ اِسلام ﴾ پر عمل پیرا رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرتے رہیں۔ بندگی اور اطاعت کی حالت میں ان کی موت آنی چاہیئے۔

﴿ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (البقرة:132)

"اے میرے بیٹو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے یہ خاص دین (الاسلام) منتخب کرلیا ہے، لہٰذا تم لوگوں کی موت ﴿ اِسلام ﴾ ہی کی حالت میں آنی چاہیئے۔"

(g) حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں نے عہد کیا کہ ہم مسلمان رہیں گے اور ایک خدا کی بندگی کریں گے:

حضرت یعقوبؑ کے تمام بارہ بیٹوں نے یک زبان ہو کر اپنے والد کے انتقال سے پہلے عہد کیا اور کہا:

﴿ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (البقرة:133)

" ہم آپ کے اِلٰہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے۔ اور آپ کے آباؤ اجداد کے اِلٰہ، ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کے اِلٰہ، اُسی ایک اِلٰہ کی عبادت کریں گے، اور ہم تو صرف اُسی ایک اِلٰہ کے ﴿ مُسْلِم ﴾ ہیں۔ یعنی تابع فرمان ہیں۔"

(h) حضرت یوسفؑ نے دعا کی کہ میری موت اسلام پر آئے:

حضرت یوسفؑ کا زمانہ تقریباً 1,900 ق م ہے۔ اللہ نے انہیں مصر کی حکمرانی عطا فرمائی۔ اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود حضرت یوسفؑ تعلق باللہ، عاجزی اور انکسار کی دولت سے مالا مال تھے۔ ان کی دعا کے الفاظ پر غور کیجئے۔

﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف:101)

"اے اللہ! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا نگران اور سرپرست ہے۔ مجھے ﴿اسلام﴾ کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ جوڑ دے۔"

(i) قانونِ تورات کے مطابق فیصلہ کرنے والے بھی ﴿مُسْلِم﴾ تھے:

حضرت یوسفؑ کے 600 سال بعد کا زمانہ حضرت موسیٰؑ کا ہے۔ 1,300 ق۔م میں حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل کی گئی۔ اِس میں ہدایت تھی۔ نور تھا۔ شریعت اور قانون تھا۔ اِسی تورات کے قانون کے مطابق بنی اسرائیل کے تمام انبیاء فیصلے کیا کرتے تھے اور تمام ربانی بھی اور علماء بھی۔ یہ سارے ﴿مُسْلِم﴾ تھے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ (المائدہ:44)

"بلاشبہ ہم نے تورات نازل فرمائی، جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اِسی کے مطابق انبیاء جو اللہ کے مُسلِم یعنی فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی فیصلے کرتے رہے ہیں، کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے۔"

(j) جادو گروں کا مسلم ہو جانا، اور ان کی ثابت قدمی:

فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے دربار میں جادوگروں کو جمع کیا۔ اِنعام واِکرام کا وعدہ کیا۔ جادوگروں نے آکر اپنی رسیاں اور اپنے ڈنڈے پھینکے، جو سانپ بن گئے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے اپنا معجزہ پیش کیا اور اُن کے عصا نے بڑا اژدھا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل لیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر جادوگروں نے اسلام قبول کرلیا۔ فرعون نے انہیں قتل کی دھمکی دی، اِس موقع پر اِن جادوگروں نے دعا کی۔

﴿رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ﴾ (الاعراف:126)

"اے ہمارے رب! ہم پر صبر کو انڈیل دے اور ﴿اسلام﴾ کی حالت میں ہمیں موت عطا کر۔"

(k) ڈوبنے سے پہلے فرعون کا بیان کہ وہ مسلم ہے:

عذاب نازل ہونے کے بعد، توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ فرعون نے ڈوبتے ہوئے اقرارِ توحید کیا، بلکہ اپنے ﴿مُسۡلِم﴾ ہونے کا بھی اعتراف کرلیا، لیکن ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہاں بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ وہ قلبی اور ذہنی طور پر توحید اور ﴿اِسلام﴾ کا قائل ہوگیا۔ مرنے سے پہلے اس نے یہ الفاظ ادا کئے۔

﴿ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴾

کہنے لگا: "میں ایمان لایا، اس اللہ پر، جس پر بنی اسرائیل ایمان لے آئے ہیں، اور میں بھی ﴿مُسۡلِمِيۡنَ﴾ میں شامل ہوں۔ (یونس:90)

(l) حضرت سلیمان کا مطالبہ اسلام:

حضرت سلیمانؑ کا زمانہ حضرت موسیٰ کے تقریباً 300 سال کے بعد کا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اپنے اہداف و مقاصد میں بہت واضح موقف رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اقتدار کا مقصد بھی ﴿ اِسلام ﴾ کی تبلیغ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی ملکہ سبا کو ایک خط کے ذریعے دھمکی دی کہ میرے اوپر بڑائی نہ جتاؤ اور ﴿ مُسْلِم ﴾ بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔

﴿ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ (النمل:31)

”(خط میں صاف لکھا ہوا تھا) کہ میرے اوپر بڑائی نہ جتاؤ اور تم سب لوگ ﴿ مُسْلِم ﴾ بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔“

(m) ملکہ سبا کا قبولِ اسلام:

حضرت سلیمانؑ کے صاف اور واضح موقف کی وجہ سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سورج کی پوجا کرنے والی یمن کی ملکہ سبا نے ﴿ اسلام ﴾ قبول کرنے کے بعد اعتراف کیا کہ میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رب العالمین کے آگے جھک گئی ہوں۔

﴿ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (النمل:44)

”میں نے بھی حضرت سلیمانؑ کے ساتھ رب العالمین کے آگے ﴿ مُسْلِم ﴾ ہو گئی ہوں۔ یعنی اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔“

(o) حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا اسلام:

حضرت سلیمانؑ کے تقریباً 1,000 سال بعد، حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ﴿اسلام﴾ کی دعوت دی۔ چنانچہ چند لوگ ایمان لائے، ایمان لانے والے حواریوں نے کہا:

'ہم ایمان لائے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم ﴿مُسْلِم﴾ ہیں۔'

﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ (المائدہ:111)

"وہ وقت یاد کرو! جب میں نے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو ہدایت کی کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور میرے رسول حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائیں۔ حوارین کا جواب یہی تھا کہ ہم (تجھ پر اور تیرے رسول پر) ایمان لے آئے۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا! کہ ہم سب ﴿مُسْلِمِيْنَ﴾ ہیں۔"

سورت آلِ عمران میں بھی صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے کہا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آلِ عمران:52)

"ہم اللہ پر ایمان لائے اور اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ ہم سب ﴿مُسْلِمِيْنَ﴾ ہیں۔"

(p) رسول اللہ ﷺ کو بھی مسلم بننے کا حکم دیا گیا:

حضرت عیسیٰؑ کے تقریباً 600 سال بعد آخری نبی اور آخری رسول محمد ﷺ تشریف لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ یعنی ﴿اسلام﴾ قبول کر لیں۔

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المومن:66)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے ﴿مُسْلِم﴾ ہو جاؤں۔ یعنی سر تسلیم خم کر دوں۔"

(q) تمام انسانوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی:

رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قیامت تک کے آنے والے تمام انسانوں کو بھی دعوتِ عام دی گئی کہ وہ بھی ﴿اسلام﴾ قبول کرلیں اور ﴿مُسْلِم﴾ بن جائیں۔

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ﴾ (الزمر:54)

"لوگو! اپنے رب کی طرف اِنابت اختیار کرو اور اس کے ﴿مُسْلِم﴾ بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم لوگوں پر (اللہ تعالیٰ کا) عذاب آجائے۔"

(r) اہلِ کتاب میں تبلیغِ اسلام کا طریقہ:

ہجرتِ حبشہ سے پہلے مسلمانوں کو تربیت دی گئی کہ اب انہیں ایک ایسے علاقے کی طرف جانا ہے، جہاں کا حکمران اور جہاں کی رعایا عیسائی ہے۔ وہاں جاکر توحید اور اسلام کی دعوت دینی ہے۔ دعوت کے آداب سکھائے گئے کہ دعوت کا آغاز مثبت انداز سے کیا جائے اور مختلفات کے بجائے، مشترکات پر پہلے گفتگو کی جائے۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

"اے مسلمانو! اہلِ کتاب سے صرف اور صرف احسن طریقے کے ساتھ ہی مجادلہ اور مباحثہ کرو، الا یہ کہ ان میں کوئی ظلم کرنے والا ہو۔"

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

"اور ان سے کہنا: ہم اُس وحی پر بھی ایمان لاچکے ہیں، جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور ہم اُس وحی پر بھی ایمان لاچکے ہیں جو آپ لوگوں کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت:46)

"ہم لوگوں کا الٰہ اور آپ لوگوں کا الٰہ ایک ہی ہے (الگ نہیں)۔ اور ہم اسی ایک الٰہ کے آگے ﴿مُسْلِم﴾ ہیں، یعنی جھکے ہوئے ہیں۔"

(s) مسلمانوں کو بھی پورے اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا:

قرآن نے ﴿اِسلام﴾ قبول کرنے والے نئے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ کی بندگی اور سپردگی میں دیدیں۔ فرمایا گیا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ کَآفَّةً﴾ (البقرۃ:208)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ﴿اِسلام﴾ میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

یعنی قرآن و سنت میں دیئے گئے تمام الٰہی احکامات پر حتی المقدور اِخلاص کے ساتھ عمل کرو۔ ﴿ادْخُلُوْا﴾ کے لفظ پر غور فرمایئے۔ یہاں ایک عمارت کا منظر ہے اور کچھ لوگ اس کے مرکزی دروازے پر یوں کھڑے ہیں کہ انہیں اندر بھی شمار کیا جا سکتا ہے اور باہر بھی۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ پورے کے پورے اندر داخل ہو جاؤ یعنی صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ قلبی تصدیق اور اعضاء اور جوارح کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ محض عبادات پر اکتفا کافی نہیں ہے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن و سنّت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

امیر اور جماعت سے چمٹے رہیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوتا ہے اور مر جاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 4,790، عن ابن عباسؓ)

(B) اسلامی تحریک کیا ہے؟

تحریک (Movement) کا لفظ ﴿حَرَکَة﴾ سے ماخوذ ہے۔

(a) اسلامی تحریک، زندگی کی علامت ہے:

تحریک آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا نام ہے، سمٹ جانے اور جمود کو حرکت نہیں کہتے۔ جمود کا دوسرا نام موت ہے، حرکت زندگی کی علامت ہے، یہ ایک سیلِ رواں ہے جو تھم نہیں سکتا:

جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ﴾

(الانفال:24)

"اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو، جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے ں، جو تمہیں زندگی عطا کرے گی۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی دعوت ایک ایسی دعوت ہے، جس میں زندگی ہے، جوش ہے، حرارت ہے، جولانی ہے، تغیر ہے اور زندگی حرکت سے عبارت ہے۔ یہ قوموں کی اجتماعی زندگی بھی ہے اور اُن کی لازوال ابدی زندگی بھی۔

(b) اسلامی تحریک، انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے:

اسلامی تحریک ﴿ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ﴾ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ دعوت و تبلیغ اِس کا ہتھیار ہے۔ یہ ایک جانی پہچانی شاہراہ ہے، جس پر روزِ اول سے انبیاء، صالحین، صدیقین اور شہداء چلتے آئے ہیں۔ مزاحمتوں کے باوجود اس قافلے کی حرکت کبھی تھمی نہیں۔ پھر آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ آخری وحی اور آخری کتاب لے کر آئے۔

مکے کے مشرکانہ ماحول میں وہ تنہا تھے، پھر بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا، دوست ابو بکر رضی اللہ عنہ، بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر ہجرتِ حبشہ کی نوبت آئی۔ پھر تیرہ سال بعد ہجرتِ مدینہ کی۔ یہ قافلہ بڑھتا رہا۔ بدر، احد، فتح مکہ، حنین، تبوک کے مراحل آئے، آج دنیا میں 22 سے 23 فیصد یعنی سوا ارب کی آبادی مسلمان ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب روئے زمین پر تقریباً سو مہاجرین اور سو انصاری مسلمان تھے، یعنی کل دو سو (۲۰۰) مسلمان تھے۔ تب یہ حکم دیا گیا:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج:78)

" اللہ کی راہ میں بھرپور جدوجہد کرو! یعنی جدوجہد کے حق کے عین مطابق!"

دو سو افراد (۲۰۰) سے سوا ارب (۱،۲۵۰،۰۰۰،۰۰۰) مسلمانوں کا یہ سفر قیامت تک جاری رہے گا اور آخری امت تعداد میں سب سے زیادہ ہوگی۔ ان شاءاللہ۔

جنت کی آبادی کی دو تہائی تعداد آخری رسول محمد ﷺ کی امتی ہوگی۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ آتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

یہ دعوتِ توحید و رسالت کے اِقرار کی دعوت ہے۔

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کی دعوت ہے۔

اسلام کا انسانوں سے پہلا اور بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کی ''عُبُودیت اور اُلوہیت'' کو قبول کرلیں اور محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئیں۔

(c) جامع توحید:

ہم توحیدِ کامل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی ذات اور اس کی تمام صفات پر۔ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور ربّ بھی۔ اِلٰہ بھی ہے اور حاکم و شارع بھی۔

اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر عنصر (Element) اور ہر مرکّب (Compound) کا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ مخلوق ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، بے بس ہیں، لاچار ہیں اور کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ وہ کائنات کا ربّ ہے، مالک ہے، آقا ہے، وہی سارے اختیارات رکھتا ہے۔ وہی تخلیق کے بعد کائنات کے نظام کو بحسن خوبی کامل عدل و انصاف کے ساتھ چلا رہا ہے۔ اُسی کے لئے ایسی عبادت زیبا ہے، جس میں احساسِ تذلل بھی ہو اور محبت بھی۔ وہی شارع (Law Giver) اور حاکم ہے۔

اِلٰہ کے آٹھ (۸) مطلب:

اِلٰہ کے آٹھ (۸) مطلب ہیں۔ پوشیدہ ہستی، جس کے بارے میں حیرانی اور سرگشتگی ہو، جس کے بارے میں شوق کی شدّت ہو، جس سے چمٹا جائے، جس سے وابستگی سکون بخشتی ہے، جو ہر طاقتور کے مقابلے میں ایسی سب سے بڑی طاقت ہے، جو پناہ دے سکتی ہے، جو نہایت بلند مرتبہ، اعلیٰ اور ارفع ہے، جو معبود ہے۔ جس کی ظاہری عبادت بھی کی جانی چاہئے اور باطنی عبادت بھی۔

عبادت کے ظاہری مراسم جیسے: نماز، رکوع، سجدہ، دعا، قسم، طواف، قربانی وغیرہ صرف اُسی کے لئے جائز ہیں۔

عبادت کی باطنی کیفیات صرف اسی کے لئے جائز ہیں جیسے شدید محبت، شیفتگی، خشیت، خوف، امید، رجاء، عاجزی، توکل، تذلل وغیرہ بھی۔

دو قسم کے باطل اِلٰہ۔ زندہ خدا اور مردہ خدا:

جب ہم کلمۂ طیبہ میں " لاَ اِلٰہ " کہتے ہیں تو زندہ خداؤں کا بھی انکار کرتے ہیں اور مردہ خداؤں کا بھی۔ انبیاء اور اہلِ توحید کو ہر زمانے میں ان دونوں قسم کے خداؤں (اٰلِہَة) سے سابقہ پڑتا ہے۔ نمرود اور فرعون زندہ خدا تھے، جنہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے چیلنج کیا تھا۔ فرعون نے سب سے بڑے رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا (النازعات:54)۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو " اِلٰہ " بنایا تو میں تمہیں جیل میں ڈال دوں گا (الشعراء:29) یغوث، یعوق، نسر، ودّ اور سواع، مرے ہوئے نیک لوگوں کے بت تھے، جو حضرت نوحؑ کی قوم کے (اٰلِہَة) مردہ تھے۔ (نوحؑ:23) یہ زندہ اور مردہ خدا، اللہ تعالیٰ کے مدِ مقابل آکر طاغوت بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کامل اور اکمل ہیں۔ اس کی صفات کو مخلوقات کی صفات سے تشبیہ و تمثیل دینا جائز نہیں ہے۔ اس کی صفات کی تعطیل و تاویل بھی ناجائز ہے۔ تکییف بھی یعنی، اللہ کی صفات کی کیفیت بیان کرنا بھی ناجائز ہے۔ انہیں صرف ان ہی الفاظ میں بیان کیا جائے، جیسا کہ وہ قرآن اور صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تجسیم بھی حرام ہے۔

(d) تحریک آخری رسول کی پیروکار ہے:

محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ وہ دنیا کے پاس آخری کتاب لے کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ کا قول، عمل اور تقریر سنّد اور حجت ہے۔ آپ ﷺ قرآن کے شارح ہیں۔ شارع (Law Giver) بھی۔ آپ ﷺ کی احادیث قرآن کے علاوہ ماخذِ قانونِ شریعت ہیں۔ آپ ﷺ معلم ہیں، مزکّی ہیں۔ آپ ﷺ رسولِ معصوم ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور اس امت میں معصوم نہیں۔ عصمتِ انبیاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو اس کی بلا تاخیر فوراً اللہ کی طرف سے اِصلاح کر دی جاتی ہے، تا کہ دنیا کے سامنے نمونہ صحیح حالت میں محفوظ رہے۔ آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

ہر وہ قول اور ہر وہ عمل جو رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے متصادم ہو، اسے مسترد کر دیا جائے گا۔ یہ ہے توحید و رسالت کے بارے میں تحریکِ اسلامی کی دعوت کی اَساس۔

دعوت ہی ہمارا آلہ (Tool) ہے اور علم ہمارا ہتھیار (Weapon) ہے۔

اُصول نمبر : 2

۲۔ ہماری تمناؤں کا منتہاء، خالقِ کائنات کی رضا کا حصول ہے:

ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری اس اسلامی تحریک کی حرکت، جدوجہد، کوشش اور سعیٔ پیہم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارا خالق، ہمارا رب، ہمارا الٰہ، ہمارا معبود، ہمارا حاکم اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں اہلِ ایمان سے ہیشگی کی جنت کا وعدہ کیا ہے، پاکیزہ مکانات کا وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی تو ان سب سے بھی بڑی چیز ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (التوبہ:72)

" مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ﴿مَسٰكِنَ طَيِّبَةً﴾ ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی ﴿رِضْوَانٌ﴾ انہیں حاصل ہوگی۔"

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ کے الفاظ پر غور فرمایئے کہ جنت کے عالی شان پر سکون، پاکیزہ مکانات سے 'زیادہ اہم اور بڑی چیز' اللہ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾

" دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے، جو رضائے الٰہی ﴿مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔" (البقرۃ:207)

یہ تحریک اور یہ جدوجہد ﴿مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ کے حصول کا سودا ہے۔ یہاں دو طرفہ رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ، ہم بندوں سے بھی راضی ہو اور ہم بندے بھی اللہ سے راضی ہوں۔ بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی ہو، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت سے راضی ہو، اس کی دی ہوئی شریعت اور اس کے قانون سے راضی ہو، اُس کے فیصلوں پر راضی ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب بندے کی نیت خالص ہوتی ہے اور بندے کا عمل بھی بدعت سے پاک، رسول اللہ ﷺ کی سنّت کے عین مطابق ہوتا ہے تو وہ بھی بندوں سے راضی ہو جاتا ہے۔ یہی مقام ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ ایسا نفس، نفسِ مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، اس کا استقبال جنت میں ایک ایسی حالت میں کیا جاتا ہے کہ جس کی تفسیر قرآن مجید نے ﴿رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ کے الفاظ سے کی ہے۔ یہ بھی اُس دو طرفہ رضامندی ہی کا معاملہ ہے۔ یک طرفہ رضامندی کا نتیجہ، ہلاکت اور خودکشی کی صورت ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اُصول نمبر : 3

۳۔ ہمارا نصب العین اقامتِ دین ہے:

تیسری اصولی بات جو بالکل واضح ہونی چاہئے وہ یہ کہ ہمارا نصب العین ﴿اِقَامَةُ الدِّیْن﴾ ہے۔ دین کی اقامت۔ احکامِ الٰہی کی تنفیذ۔

یہ دو لفظوں پر مشتمل ایک ترکیب ہے، اِقامت اور الدین۔

(a) اِقَامَةٌ کا مطلب:

دین کی اِقامت۔ یعنی دین کو کھڑا کرنا۔ دین کو کھڑا کرنے سے مراد، اسلامی اداروں کی تعمیر و تشکیل ہے (Building Islamic Institutions)۔

﴿قَامَ یَقُوْمُ — قُمْ﴾ قِیَامٌ سے مراد، خود کھڑا ہونا ہے۔

﴿اَقَامَ — یُقِیْمُ — مُقِیْمٌ﴾ اِقامةٌ سے مراد کسی دوسری چیز کو کھڑا کرنا ہے۔

اب ذرا قرآن مجید میں لفظ ﴿اِقَامَت﴾ کے استعمالات پر ایک نظر ڈال لیجئے:

(ا) اِقامتِ جدار:

حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک بستی میں ایک دیوار کو اس حالت میں پایا کہ وہ گرا ہی چاہتی تھی:

﴿فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ﴾ (الکھف:77)

" وہاں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے ایک دیوار دیکھی، جو گرا چاہتی تھی تو خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو پھر قائم کر دیا۔ یعنی کھڑا کر دیا۔"

(۲) اِقامتِ ذات:

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

" اور (مجھ سے فرمایا گیا ہے) کہ آپ ﷺ یکسو ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک اُس دین پر قائم کر دیں، اور ہر گز ہر گز مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔" (یونس:105)

(۳) اِقامتِ نماز:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ یعنی "نماز قائم کرو" کا حکم قرآن مجید میں بیس (20) سے زیادہ مرتبہ دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ نماز ادا کیجئے، بلکہ یہ کہا گیا کہ نماز قائم کیجئے، یعنی قیامِ نماز کی اہتمام کیجئے اور نماز کے اداروں 'مساجد' کی تعمیر کیجئے۔ نماز کی اہمیت واضح کیجئے۔ نماز پڑھنے کی فضائل اور نہ پڑھنے کی وعیدیں سنائیے۔ امام اور موذن کا تقرر کیجئے۔ ارکانِ نماز کی تعلیم دیجئے۔ نماز کا مطلب سمجھائیے اور شرائطِ نماز سے آگاہ کیجئے۔ ان تمام امور کی تکمیل سے لفظ اِقامت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

(۴) اِقامتِ وزن:

اِقامتِ دین میں اقامتِ وزن بالقسط بھی شامل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمٰن:9)

" انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو! (یعنی ٹھیک ٹھیک تولو) اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو!"

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں سماجی اور معاشی انصاف کے قیام کو یقینی بنایا جائے۔

(۵) اِقامتِ نظامِ شہادت:

تمام اہم معاملات میں صرف اور صرف اللہ کی خاطر نظام شہادت کا قیام ضروری ہے، چاہے معاملہ لین دین اور قرض کا ہو، یا فوجداری و دیوانی مقدمات کا، معاملہ نکاح کا کو ہو، یا طلاق کا۔ طلاق کے سلسلے میں فرمایا:

﴿ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ (الطلاق:2)

" اور (اے گواہ بننے والو!) اللہ کے لیے شہادتوں کا نظام قائم کرو یعنی ٹھیک گواہی دو"

(۶) اِقامتِ حدود:

طلاق اور خلع کے احکام دیتے ہوئے شوہر اور بیوی دونوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ حدود اللہ کے قیام کو یقینی بنائیں۔ (دیکھیے سورۃ البقرۃ:230+229):

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ، فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ، وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ، اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ:229)

" طلاق دو (2) بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے، یا بھلے طریقے سے اُس کو رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ (مہر وغیرہ) تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو معاوضہ دے کر علیحدگی (خلع)

حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔ "

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ (البقرۃ:230)

"پھر ان دو طلاقوں کے بعد، شوہر اگر (تیسری) طلاق بھی بیوی کو دے دیتا ہے تو پھر وہ اس کے لئے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی، جب تک وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر بھی اُس خاتون کو طلاق دے دے تو کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ دوبارہ نکاح کر لیں، بشرطیکہ دونوں کو پختہ یقین ہو کہ مستقبل میں دونوں اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، جو اللہ تعالیٰ کھول کھول کر بیان کر رہا ہے، ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔"

مندرجہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی میں حدود اللہ کا قیام کس قدر لازمی اور ضروری ہے۔

(۷) اِقامتِ عدل وانصاف:

تمام پیغمبروں کے بھیجے جانے کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگوں کو عقیدۂ توحید کے علاوہ، سماجی اور معاشی نظامِ عدل وانصاف پر قائم کریں، ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (الحدید:25)

" ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ 'کتاب' اور 'میزان' نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

(۸) اِقامتِ تورات و انجیل:

قرآن نے اِقامتِ تورات و انجیل کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اہلِ کتاب کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ:

۱: ان کی کوئی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، جب تک وہ تورات و انجیل (کے احکام) قائم نہیں کرتے۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَآأَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْإِنْجِيْلَ﴾

"(اے نبی ﷺ) صاف کہہ دیجئے کہ 'اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو، جب تک کہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو۔" (المائدہ:68)

۲: اگر اہلِ کتاب، تورات و انجیل کے احکام کے قیام کو یقینی بناتے تو انہیں اوپر سے اور قدموں کے نیچے سے رزق دیا جاتا، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ (المائدہ:66)

"کاش انہوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا، جو اُن کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔"

الغرض قرآن مجید نے جہاں اِقامتِ دیوار کی بات کی ہے، وہیں اِقامتِ نماز، اِقامتِ وزن، اِقامتِ شہادت، اِقامتِ حدود، اِقامتِ عدل و انصاف اور اِقامتِ تورات و انجیل کی بات بھی ہے، اس طرح ﴿اِقَامَةُ الدِّيْن﴾ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

یہ اِقامتِ شریعت ہی کا دوسرا نام ہے، یہ تنفیذِ احکامِ الٰہی ہے۔

(b) الدِّین کا مطلب:

﴿دَانَ، یَدِیْنِ، دِن، دِیْنٌ﴾ کا مطلب جھکنا بھی ہے اور جھکانا بھی، دبنا بھی اور دبانا بھی۔
یہ ﴿ذوي الأضداد﴾ الفاظ میں سے ایک ہے، جو بیک وقت متضاد معانی دیتے ہیں۔
عربی میں کہتے ہیں: ﴿دِنتُهم فَدَانُوا﴾ یعنی "میں نے انہیں جھکایا تو وہ جھک گئے"
دِیْنٌ کے چار معروف مطالب ہیں، پانچواں مطلب اصطلاحی ہے، قرآن میں یہ لفظ ان تمام معانی اور مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔

(ا) دِیْنٌ کا پہلا مطلب غلبہ، اقتدار، تسلط اور قوتِ قاہرہ ہے:

دِیْنٌ کا پہلا مطلب غلبہ (Dominance)، اقتدار (Sovereignty)، تسلط (Subjugation) اور قوتِ قاہرہ (Overpowering) ہے۔

فرمایا گیا:

﴿ أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ (آل عمران:83)

" اب کیا یہ لوگ اللہ کے غلبے اور تسلط کے نظام (دِینُ اللّٰه) کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاہتے ہوئے اور نہ چاہتے ہوئے، اللہ ہی کی تابع فرمان (مُسلِم) ہیں اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا﴾ (النحل:52)

" اور اُسی کا دِین (اُسی کا غلبہ و تسلط)، دائماً، خالصاً، لازماً، (ساری کائنات میں) جاری و ساری ہے۔"

﴿وَاصِبٌ﴾ کے تین مطلب ہیں:

اولاً: دائِم جس سے دوام اور ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

ثانیاً: خالِص یعنی ملاوٹ اور آمیزش سے پاک (Pure) بندگی اور اطاعت۔

ثالثاً: لازِم، یعنی بے چوں وچرا (Unconditional)، طوعاً و کرہاً، بخوشی یا بکراہت۔

یعنی ازل سے اُسی کی حکمرانی ہے اور کائنات کی ہر چیز اُسی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر رہی ہے۔ اُسی کی فرماں روائی لامحدود (Unconditional & Perpetual) ہے۔

(۲) دِیْنٌ کا دوسرا مطلب، اِطاعت، بندگی، فرماں برداری، ماتحتی اور غلامی ہے:

دِیْنٌ کا دوسرا مطلب، اِطاعت (Obedience) بندگی، پیروی (Compliance)، فرماں برداری (Obeisance) سپردگی (Surrender)، ماتحتی اور غلامی (Servitude) ہے۔

﴿وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (الاعراف:29)

" اسی کو پکارو! اپنے دِین (اپنی فرماں برداری) کو، اُسی کے لیے خالص رکھتے ہوئے۔"

(۳) دِیْنٌ کا تیسرا مطلب شرع، قانون، اُصول، ضابطہ، طریقہ، رسم ہے:

دِیْنٌ کا تیسرا مطلب شرع (Shariah) ، قانون (Law) ، اُصول (Rule)، ضابطہ (Regulation)، طریقہ (Procedure)، رسم (Custom) ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اپنے بھائی بن یمین کو روک لیا، حالانکہ وہ فلسطین کے شہری تھے، انہوں نے ایک الہامی تدبیر سے کام لیا، کیونکہ مصر کے قانون (دِیْنُ الْمَلِک) کے مطابق، وہ اُنہیں روک نہیں سکتے تھے: قرآن میں فرمایا گیا:

﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ (یوسف:76)

" بادشاہ کے دِیْنُ (یعنی مصر کے شاہی قانون) کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو نہیں روک سکتے تھے۔"

یہاں دِیْنُ الْمَلِک سے مراد قانون ہے۔

اسی طرح سورۃ النور کی دوسری آیت پر غور فرمایئے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النور:2)

"زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دِیْن (قانون کے نفاذ) کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔"

غیر شادی شدہ زانیہ اور زانی کی سزا، سو (۱۰۰) سو (۱۰۰) کوڑے بتائی گئی اور حکم دیا گیا کہ سزا خفیہ طور پر نہ دی جائے، بلکہ اعلانیہ ہو، مسلمانوں کا ایک گروہ اس سزا کا مشاہدہ کرے، پھر فرمایا: سزا دیتے وقت ان دونوں مجرموں کے لئے تمہارے دل میں رأفت یعنی ترس کا

جذبہ نہ آنے پائے، جو ﴿ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کے قانون کے نفاذ میں رکاوٹ بن جائے۔

﴿ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ﴾ (النور:2)

"اور ان دونوں پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دِیْنْ (یعنی قانون کے نفاذ) کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو۔"

(۴) دِیْنْ کا چوتھا مطلب جزائے عمل، بدلہ، مکافات، فیصلہ اور حساب ہے:

دِیْنْ کا چوتھا مطلب جزائے عمل (Reward and Punishment)، بدلہ (Compensation)، مکافات، فیصلہ اور حساب (Accountability) ہے۔

عربی میں کہتے ہیں: ﴿کما تَدِیْنُ تُدَان﴾ یعنی "جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے"۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ (الفاتحہ:4)

"جزاو سزا کے دن کا مالک" یعنی "بدلے کے دن کا مالک"

﴿ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴾ (الذاریات:6)

"اور بلاشبہ دِیْنْ واقع ہو کر رہے گا"

یعنی بدلہ بل کر رہے گا، جزا بھی ملے گی اور سزا بھی ملے گی۔

دِیْنْ کا اصطلاحی مفہوم:

قرآن مجید میں مندرجہ بالا چاروں مفہومات کو سمیٹتے ہوئے ﴿ دِیْنْ ﴾ کا لفظ، ایک جامع اصطلاح کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے، جیسے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آلِ عمران:19)

"اللہ کے نزدیک دین صرف ﴿الْاِسْلَامِ﴾ ہے۔"

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آلِ عمران:85)

"اس نظامِ زندگی ﴿الْاِسْلَامِ﴾ کے سوا، جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اُس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

یعنی ایجابی (Positive Assertion) اور سلبی (Negative Assertion) دونوں طریقوں سے وضاحت کردی گئی کہ ﴿الْاِسْلَامِ﴾ ہی دین ہے اور ﴿الْاِسْلَامِ﴾ ہی قبول کیا جائے گا اور ﴿الْاِسْلَامِ﴾ کے علاوہ دیگر تمام نظریے اور نظام ہائے عقائد و عمل مسترد کردیئے جائیں گے۔

دین کی اصطلاحی تعریف:

یہاں ﴿دِیْنٌ﴾ سے مراد ایک ایسا مکمل نظامِ حیات ہے، جس میں انسان (۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، غلبہ اور تسلط اور (۲) اپنی بندگی اور محکومیت کو تسلیم کرلیتا ہے اور (۳) اور اس کے قانونِ جزا و سزا (جنّت و دوزخ) کو مان کر (۴) اُس کے دیئے ہوئے قانون اور اُس کی شریعت پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

گویا اصطلاحاً لفظ ﴿دِیْنٌ﴾ اپنے اندر توحید، آخرت، اسلام اور شریعت چاروں تصورات پر مشتمل ایک جامع نظامِ زندگی ہے۔

(c) اِقامتِ دین کا مطلب:

اِقَا مَةُ اور دِیْنٌ دونوں الفاظ کا مطلب واضح ہو جانے کے بعد ﴿اِقَا مَةُ الدِّیْنِ﴾ کی اصطلاح پر غور فرمایئے۔

﴿اِقَا مَةُ الدِّیْنِ﴾ سے مراد، اُس جامع نظام زندگی کا قیام ہے، جس میں عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کو مان کر، انسان بندگی اور سپردگی کا رویہ اختیار کرتے، ہوئے اللہ کے قانونِ شریعت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

ایک شبہ کا اِزالہ:

ہمارے ایک فاضل دوست فرماتے ہیں کہ اِقامتِ دین فرض نہیں ہے ، بلکہ اقامتِ دین کو فرض کہنا بدعت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفاذِ شریعت فرض ہے۔ غور فرمایئے! کیا یہ محض لفظی بحث نہیں ہے؟ کیا یہ اصطلاحات کا اختلاف نہیں ہے؟ اقامتِ دین کا پہلا مرحلہ دعوتِ توحید و آخرت سے شروع ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں جماعت بنتی ہے۔ پھر مسجدیں تعمیر کی جاتی ہیں۔ نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ مدرسے، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جاتی ہیں۔ عدالتوں کا نظام بنا کر قاضی اور جج مقرر کیے جاتے ہیں۔ نکاح اور طلاق کی رجسٹریشن کر کے زوجین اور اولاد کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ قانونِ وراثت پر مکمل عمل درآمد کے لیے اِدارے قائم کیے جاتے ہیں۔ سود کے استحصالی نظام کے خاتمے کے لیے غیر سودی بینک قائم کیے جاتے ہیں۔ خاندان سے لے کر ریاست تک اسلامی اداروں کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یہی تو نفاذِ شریعت ہے۔ اور اسی کا نام اقامتِ دین ہے۔ نفاذِ شریعت کا لفظ قرآن وسنت میں کہاں آیا ہے؟ اقامتِ دین کو تو اللہ نے " شرع لکم " کے الفاظ سے مشروع کیا ہے۔

ایک خالص اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کی قدر دانی کے بجائے، اُسے بدعت قرار دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اسی اقامتِ دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی حیثیت سے صحابہؓ کا انتخاب فرمایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی اسی اقامت دین کے لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لیے مخلص لوگوں کی ایک جماعت بن جائے، جو ہجرت و جہاد کے مراحل کے لیے تیار ہو۔ پھر آپ ﷺ کی دس سالہ زندگی میں بتدریج احکام بھی نازل ہوتے رہے، اُن کا نفاذ بھی ہوتا رہا۔ لوگوں کی زندگی بدلتی بھی رہی یہاں تک کے اللہ تعالیٰ نے اس آخری دین کو مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف دین قائم کیا، بلکہ صحابہؓ کے نفوس کا تزکیہ کر کے دین کو جاری و ساری کر دیا۔

اقامتِ دین نہ صرف دین قائم کرنے کا نام ہے، بلکہ دین قائم رکھنے کا نام بھی ہے۔ اس کے قیام میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا بھی ضروری ہے اور اس دین کے خلاف کھڑی ہونے والی مزاحم قوتوں سے مقابلہ بھی ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، خلفائے راشدین نے حکومت اور ریاست کے نظام کو مضبوط کیا۔ بغاوتوں کو کچل دیا۔ اسلامی ریاست کی توسیع کی۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ایسا انصاف کیا کہ غیر مسلم جوق در جوق اسلام قبول کرتے گئے۔

اقامت دین کے فریضے کی تکمیل کے لیے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جھوٹے نبیوں کے خلاف جنگ کی۔ مرتدین کی سرکوبی کی۔ مانعین زکوۃ کے خلاف صف آرا ہوئے۔ عرب کے جسم سے بغاوت کے کینسر کا مکمل خاتمہ کر کے ایک متحد توحید پرست قوم کو حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے کر دیا۔

اسی اقامتِ دین کے فریضے کی تکمیل کے لیے حضرت عمر فاروقؓ نے مشرق میں عراق، ایران، آزربائیجان، ترکمانستان، اُزبکستان، افغانستان کی طرف، شمال میں فلسطین، اُردن، شام، اور غزہ کی طرف پیش قدمی کی اور پھر مغرب میں مصر، لیبیا، وغیرہ کی طرف پیش قدمی کی، ایک عادلانہ اسلامی حکومت قائم کی، جس کے نتیجے میں ان مفتوحہ علاقوں کی اکثریت برضا و رغبت اسلام قبول کر لی گئی۔

یہی تو اقامت دین ہے۔

یہ تمام مراحل ایک مضبوط جماعت، ایک مضبوط حکومت اور ایک مضبوط ریاست کے متقاضی ہوتے ہیں، جس کے بغیر کوئی مرحلہ طے نہیں ہو سکتا۔

جماعت اور امیر سے چمٹے رہو۔ فرقے نہ بناؤ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ تَلْزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ ﴾

"مسلمانوں کی جماعت سے اور اُن کے امیر سے چمٹے رہو۔ دیگر فرقوں سے الگ ہو جاؤ، چاہے تمہیں درخت کی جڑیں چبانی پڑیں، یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہیں موت آجائے۔

(صحیح مسلم، حدیث: 4,784، عن حذیفہ)

خلیل الرحمٰن چشتی
Khaleelchishti@yahoo.com

دین کے قرآنی استعمالات

1 دین۔ اللہ کی حاکمیت

غلبہ، اقتدار، تسلّط، قوتِ قاہرہ

﴿ أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ (ال عمران 83)

﴿ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِباً ﴾ (النحل:52)

2 دین۔ بندوں کی محکومیت

عبادت، اِطاعت، بندگی، فرماں برداری، ماتحتی اور غلامی

﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ ﴾

(الزمر:2)

5 دین کی جامع تعریف

دین ایک ایسا جامع نظامِ زندگی ہے، جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت اور حاکمیت کو تسلیم کر کے اُس کی عبادت، اطاعت، بندگی اور محکومیت اس نیت کے ساتھ اختیار کر لیتا ہے کہ وہ اللہ کے قانون اور اُس کی شریعت پر مرتے دم تک عمل کرے گا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اجر وثواب کا مستحق ہو کر جنت حاصل کر لے اور دوزخ کی سزا سے بچ جائے۔

﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ ﴾ (ال عمران:19)

﴿ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

(التوبہ:33)

3 دین۔ اللہ کی شریعت

شرع، قانون، اُصول، ضابطے، طریقے، رسم و رواج

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (الشوریٰ 21)

﴿ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ﴾ (النور:2)

﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ (یوسف 76)

4 دین۔ جزا وسزا

آخرت، جنت دوزخ، بدلہ، جزا وسزا، مکافاتِ عمل، محاسبہ، فیصلہ

﴿ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ (الفاتحہ:4)

﴿ وَإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴾ (الذاریات:6)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔

﴿السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت میں ان سے ایک قول منسوب ہے:

﴿اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَ اِقَامَةِ دِيْنِهٖ﴾

"اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔" (مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، 193)

معلوم ہوا کہ دِیْنٌ وہی ہے، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اپنایا، یہ ایک جامع دین اور جامع نظامِ زندگی ہے، جس میں عقائد، اَخلاقیات، معاشرت، معاملات اور امورِ حکمرانی سبھی شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں جو نظامِ زندگی قائم کیا، وہی دِیْنٌ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، خلفائے راشدین حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے جو طرزِ حکمرانی اختیار کیا، وہی ﴿اِقَامَةُ الدِّیْنِ﴾ ہے۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت 13:

اب سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 13 پر غور فرمایئے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ:13)

"اس نے تمہارے لیے دِینؒ کا وہی طریقہ مشروع کیا ہے، جس کا حکم، اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور جسے (اَے محمد ﷺ اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دِینؒ کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

یہ پانچ اللہ تعالیٰ کے اولو العزم پیغمبر ہیں، حضرت نوح علیہ السلام (غالباً 3500 ق م)، حضرت ابراہیم علیہ السلام (غالباً 2100 ق م)، حضرت موسیٰ علیہ السلام (1300 ق م)، حضرت عیسیٰ علیہ السلام (غالباً 34ء) اور محمد مصطفیٰ ﷺ (632ء)۔ ان سب کی ذمہ داری یہی تھی کہ وہ دِینؒ کو قائم بھی کریں اور اسے قائم رکھیں۔ ان سب کا دِینؒ ایک ہی تھا، خدائے واحد کی بندگی، نماز اور روزے سبھی پر فرض تھے، زکوٰۃ سب پر فرض تھی، جزئیات میں اختلافِ شرائع ممکن ہے، لیکن دِینؒ ایک ہی تھا اور ہے۔

(d) اِقامتِ دین کا کام، اداروں کے قیام کے بغیر ناممکن ہے:

یہ بات واضح رہے کہ اِقَامَۃُ الدِّیْنِ کی یہ ذمہ داری اِداروں کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ مسجد کا ادارہ، جہاں پنجوقتہ عبادت کا باقاعدگی سے اہتمام وانتظام ہو۔

خاندان کا ادارہ، جس میں ہر فرد اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے حقوق سے کماحقہ واقف ہو۔

دعوتی اور تبلیغی ادارے (بالخصوص میڈیا)، جہاں توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی تصورات کی دعوت دی جائے۔

تعلیمی ادارے، جہاں قرآن وسنّت کے احکام حلال وحرام کی تعلیم دی جائے۔

پولیس کا ادارہ، جس سے معاشرے میں نظم وضبط قائم رہے۔

عدلیہ کا ادارہ، جو اسلامی عدل وانصاف کا ضامن ہو۔

فوج کا ادارہ، جو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا استیصال کرسکے۔

معاشی اور اقتصادی ادارے، جو سود سے پاک اقتصادی نظام کے ضامن ہوں۔

قانون سازی اور اجتہاد کا ادارہ، جہاں علماء و مجتہدین نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی جستجو میں ہوں اور جہاں سے نئی قانون سازی ممکن ہوسکے، جو قرآن وسنّت کے سائے میں کی جائے۔

﴿اِقَامَةُ الدِّيْنِ﴾ کے یہ سارے کام، ایک مضبوط تنظیم اور ایک مضبوط اجتماعیت کے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

عہدہ نہ دیا جائے تو قیامت تک صبر کرو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انصار کے ایک آدمی نے تنہائی میں آپ سے پوچھا: ”آپ مجھے فُلاں شخص کی طرح عہدہ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا: ”میرے بعد تم دیکھو گے کہ عہدوں کے معاملے میں دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، ایسے میں حوضِ کوثر پر مجھ سے ملاقات تک تم صبر کرو۔“

(صحیح مسلم، حدیث: 4,779، عن انس رضی اللہ عنہ)

دین کے پانچ مفہوم

خلیلُ الرَّحمٰنُ چشتی
Khaleelchishti@yahoo.com

1

دین۔ اللہ کی حاکمیت

غلبہ، اقتدار، تسلط
قوتِ قاہرہ

2

دین۔ اللہ کی شریعت

شرع، قانون، اُصول، ضابطے
طریقے، رسم ورواج

3

دین کی جامع تعریف

دین ایک ایسا جامع نظام زندگی ہے، جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت اور حاکمیت کو تسلیم کر کے اُس کی عبادت، اطاعت، بندگی اور محکومیت اس نیت کے ساتھ اختیار کر لیتا ہے کہ وہ اللہ کے قانون اور اُس کی شریعت پر مرتے دم تک عمل کرے گا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اجر و ثواب کا مستحق ہو کر جنت حاصل کر لے اور دوزخ کی سزا سے بچ جائے

4

دین۔ بندوں کی محکومیت

عبادت، اطاعت، بندگی، فرماں برداری
ماتحتی اور غلامی

5

دین۔ جزا و سزا

آخرت، جنت دوزخ
بدلہ، جزا و سزا
مکافاتِ عمل۔ محاسبہ، فیصلہ

اِقامتِ دین کی جامع تعریف

ریاست
اور اُس کے دیگر
اسلامی اداروں
کے ذریعے

اقامتِ دین سے مراد، ایک ایسے جامع نظامِ زندگی کا قیام ہے، جس میں
توحید کی بالادستی ہو،
آخرت کی جزاء وسزا کا تصور عام ہو،
قانون شریعت کے ذریعے عدل انصاف ہو
اور انسانیت اللہ کی کامل بندگی اختیار کر لے۔

اُصول نمبر : 4

۴۔ اسلام ایک مذہب نہیں، بلکہ ایک دین اور جامع نظامِ زندگی ہے:

اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد کے اذہان اور افکار میں یہ تصور بالکل صاف اور شفاف انداز میں مُنَقّح ہو جائے کہ اسلام ایک مذہب نہیں، جس طرح دنیا میں اور مذاہب ہیں، یہ بلکہ ایک مکمل اور جامع نظامِ زندگی ہے۔

دیگر مذاہبِ عالم کی طرح، اسلام کو محض چند عبادات تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اسے مسجد اور مکان کے اندر بند اور محصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر وحی کی جانے والی مستند تعلیماتِ ثابتہ پر مشتمل ہے۔

﴿وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا﴾ (النحل:52)

”اور اُسی کا دین (اُسی کا غلبہ و تسلط)، دائماً، خالصاً، لازماً، (ساری کائنات میں) جاری و ساری ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم رکوع و سجود کی حد تک تیری اطاعت کریں گے، لیکن لباس، ستر و حجاب اور سود و لین دین کے معاملات میں، ہم تیرے احکام کی پیروی نہیں کریں گے۔

﴿دِیْنٌ﴾ ایک جامع اصطلاح ہے، اس کی وضاحت پچھلے سطور میں کی جاچکی ہے، اس میں ہر وہ چیز شامل ہے، جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔ اِس میں ہر وہ بات شامل ہے جو آپ ﷺ نے کہی ہے، آپ ﷺ کی ہے، یا جسے آپ ﷺ نے برقرار رکھا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اُصول نمبر : 5

۵۔ ہم اِکمالِ دِین پر یقین رکھتے ہیں:

پانچویں اہم بات یہ ہے کہ ہم اِکمالِ دِین پر یقین رکھتے ہیں، آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو دین نازل کیا گیا اور اپنے قول و فعل کے ذریعے آپ ﷺ نے، جس کی تعلیم دی، اسے بتدریج صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل و دماغ اور اعضاء و جوارح میں تیئس (۲۳) سال کی مدت میں نافذ و رائج کیا گیا۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ:3)

”(اے مسلمانو!) آج میں نے تم لوگوں کے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے۔“

یعنی اللہ کی طرف سے ﴿دِیْنٌ﴾ مکمل کر دیا گیا ہے۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اب اسلامی تعلیمات کا پیمانہ لبالب بھرا ہوا ہے، ہر اعتبار سے مکمل ہے۔

(۲) اس پیمانے میں سے کوئی چیز نکال کر پھینکی نہیں جاسکتی، اس میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی۔

(۳) اس لبریز پیمانے میں مزید کوئی چیز شامل کی جائے تو یہ پیمانہ چھلک جائے گا۔

چنانچہ اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) اور یہ دین خالص حالت میں محفوظ نہیں رہے گا، اس دین میں کسی ملاوٹ اور آمیزش کی گنجائش نہیں ہے۔

(۵) اس دین میں کوئی بھی بیرونی ملاوٹ اور آمیزش ”بدعت“ قرار دی جائے گی۔

(۶) اس آخری امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دِیْنْ کو اپنی اصلی اور خالص حالت میں جوں کا توں بر قرار رکھے۔

- یہود احکامِ تورات میں معنوی تحریف بھی کیا کرتے تھے اور لفظی تحریف بھی۔
- انہوں نے ﴿حِطَّةٌ﴾ (مغفرت) کو نون کے اضافے ساتھ ﴿حِنْطَةٌ﴾ (گندم) میں بدل دیا۔(الاعراف:161)
- وہ چند کوڑیوں کے عوض اپنے ہاتھوں سے گھڑ کر آیات لکھتے تھے اور کہتے تھے کہ:

﴿هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:79) "یہ اللہ کی جانب سے ہیں۔"

- وہ ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ (المائدہ:41)

"(یہود) کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعیّن ہونے کے باوجود اصل، معنی سے پھیرتے ہیں"۔

- امتِ مسلمہ کے مخلص افراد، یہود کی طرح ان جرائم کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔

اِکمَالِ دِیْن کا لازمی تقاضہ ہے کہ دین اسلام کو ہر قسم کی کمی اور بیشی سے پاک رکھا جائے، اور حسبِ استطاعت اس پر مکمل عمل کی کوشش کی جائے، اس کی دعوت دی جائے اور اسے نافذ کرنے کی بساط بھر سعی وجد وجہد کی جائے۔

اِسلام میں پیوند کاری جائز نہیں:

ہمارا دشمن چاہتا ہے کہ دین اسلام اپنی خالص حالت میں قائم و دائم نہ رہے۔ خود ہمارے چند شکست خوردہ دانشور ناسمجھی میں اسلام میں پیوند کاری کا مشورہ دینے لگے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

1۔ پچھلی صدی میں چین اور روس کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد بعض علماء کی طرف سے یہ بات کہی گئی کہ موجودہ زمانے میں ٹھیٹ اسلام ناقابل عمل ہے، لہٰذا اس میں اشتراکیت اور سوشلزم کو ملانا ضروری ہو گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

2۔ بعض علماء نے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا نام لے کر، ہندوستانی قومیت، سوشلزم اور تصوف کا ایک معجون تیار کر کے العیاذ باللہ خالص اسلام میں ملاوٹ کی ناکام کوشش کی، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جمہور علماء اور اُمت کے اجتماعی ضمیر نے اسے مسترد کر دیا۔

3۔ "ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ ریاست سیکولر ہوتی ہے، البتہ سورۃ الحج کی آیت: 41 کی روشنی میں نماز قائم کرنا، نظامِ زکوۃ قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا اور بُرائیوں سے روکنا حکومت کی ذمے داری ہے۔" العیاذ باللہ۔

"جہاد کا حکم دینا ریاست کی ذمہ داری ہے، لیکن ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہو گا۔" العیاذ باللہ۔

عجیب ہیں نا یہ متضاد باتیں!

4۔ "اسلام میں " وحدت اَدیان" کے نام پر تمام مذہب کی باتیں شامل کر لی جائیں۔"

"اکبر کے "دینِ الٰہی" اور بہائیت کو عام کیا جائے۔" العیاذ باللہ۔

5۔ "ہندو رہبانیت، عیسائی رہبانیت اور "اسلامی تصوف" العیاذ باللہ دراصل اسلام کی حقیقی روح ہے۔" لہٰذا تصوف کو فروغ دیا جائے۔ صوفی یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے قاتل مہاراجہ رنجیت سنگھ کو معتدل سیکولر حکمران کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اس کا مجسمہ لاہور میں نصب کیا جائے۔ گرونانک یونیورسٹی قائم کی جائے۔

پیوندکاری کے مندرجہ بالا رجحانات اور خیالات سراسر باطل ہیں۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

اُصول نمبر : 6

٦۔ اسلام ہی الدِّین ہے:

اس سلسلے میں چھٹی اور اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو خالقِ کائنات ہے، ہمارا رب بھی ہے، الٰہ بھی ہے، معبود بھی ہے، شارع و حاکم بھی ہے۔ دین صرف اور صرف اسلام ہے، اللہ تعالیٰ کسی اور دِین کو، کسی اور طریقۂ بندگی کو، اور کسی اور نظامِ حیات کو تسلیم ہی نہیں کرتا، چنانچہ سورۃ آلِ عمران کی دو آیات اس سلسلے میں نصِ صریح ہیں، ایک میں اس حقیقت کا اظہارِ ایجابی ہے(Affirmation) ہے اور دوسری میں سلبی(Negative Assertion) ہے۔

ایجابی طور پر ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آلِ عمران:19)

"اللہ کے نزدیک دین (یعنی بندگی کا یہ جامع نظامِ حیات) صرف اور صرف ﴿الْإِسْلَامُ﴾ ہے۔"

غور فرمایئے! یہاں خبر نکرہ نہیں ہے، بلکہ معرفہ ہے، جس سے حَصَر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اس لئے "صرف اور صرف" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(اِسْلَامٌ) کے بجائے ﴿الْإِسْلَامُ﴾ کہا گیا۔ یعنی وہ خاص طریقۂ سپردگی و بندگی (System of Submission) جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے قول و عمل سے ثابت ہے، ہر بندگی اور ہر سپردگی کو ﴿الْإِسْلَامُ﴾ نہیں کہا جا سکتا۔

سلبی طور پر اِسی سورۃ میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آلِ عمران:85)

"بندگی کے اس جامع نظامِ زندگی ﴿الْإِسْلَامُ﴾ کے سوا، جو شخص کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

اُصول نمبر : 7

۷۔ ہم جزوی پیروی دین پر یقین نہیں رکھتے:

اسلام چونکہ ایک مکمل دِین اور مکمل نظامِ زندگی ہے، اس لئے اس کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ دِین میں پوری کا پوری شرکت کی جائے۔

اسلام نہ تو وہ جزوی ایمان کو تسلیم کرتا ہے اور نہ جزوی اطاعت کو۔

پورے کے پورے دین میں داخل ہونے کا حکم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (البقرة:208)

"اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

یہ سورۃ البقرہ کی آیت ہے، جس سے پہلے بہت سے احکام دیئے گئے اور جس کے بعد بہت سارے احکام۔ درمیان میں تاکید کی ہے کہ "بندگی اور سپردگی میں" پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ شیطان کے نقوشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں پوری طرح داخل نہ ہونا شیطان کی پیروی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو جزوی پیروی پر مطمئن کر دیتا ہے۔ وہ انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے۔

جزوی ایمان بھی قابلِ تسلیم نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

"کیا تم لوگ کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصّے کا انکار کرتے ہو؟"

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرۃ:85)

"تم میں سے جو شخص بھی اس رویے کا مرتکب ہو گا، اُس کی سزا دنیاوی زندگی کی رسوائی کی صورت میں دی جائے گی اور پھر ایسے لوگ قیامت کے دن شدید تر عذاب سے دوچار کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اِن رویوں سے بے خبر نہیں ہے۔"

استطاعت کے مطابق عمل ہو گا:

بلاشبہ بندگی اور سپردگی پوری کی پوری مطلوب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی استطاعت سے پوری طرح واقف ہے، وہ کسی پر استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ استطاعت مالی بھی ہوتی ہے اور بدنی بھی۔ ذہنی بھی ہوتی ہے اور قلبی بھی، غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج کی ذمہ داری نہیں ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی یا پھر داہنی جانب کروٹ لیتے ہوئے لیٹ کر نماز پڑھنے کی رخصت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:286)

"اللہ کسی متنفّس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمّہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔"

سورۃ التغابن میں ارشاد ہوا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:16)

"لہٰذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو (استطاعت کے مطابق)، اللہ سے ڈرتے رہو۔"

o حاصل کلام یہی ہے کہ سارے قرآن اور تمام صحیح وثابت شدہ احادیث پر ایمان لانا ضروری ہے اور حتی الامکان سارے دین پر حسبِ استطاعت عمل کرنے کی کوشش واجب ہے۔

پورے دین کی تبلیغ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پورے کے پورے دین کی تبلیغ کا حکم دیا۔ فرمایا کہ کتمانِ حق جائز نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾

"اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے (چاہے وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی) اُسے (دوسروں تک) پہنچا دیجئے۔"

﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدہ:67)

"اگر آپ ﷺ نے یہ کام نہیں کیا تو (اس کا مطلب یہ ہو گا کہ) آپ ﷺ نے رسالت کی ذمہ داری کا کام ہی انجام نہیں دیا (گھبرایئے نہیں) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ بلاشبہ (آپ ﷺ پر کی گئی وحی) کا انکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔"

مندرجہ بالا دلائل سے چار باتیں ثابت ہو گئیں:

(۱) پورے کے پورے دین پر ایمان لانا ضروری ہے، جزوی ایمان قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ (البقرۃ:85)

(۲) پورے کے پورے دین میں داخل ہونا ضروری ہے۔ (البقرۃ:208)

(۳) پورے کے پورے دین کی تبلیغ بھی ضروری ہے۔ (المائدہ:67)

(۴) پورے کے پورے دین پر "حسبِ استطاعت" عمل کرنا لازمی ہے۔ (البقرۃ:286، التغابن:16)

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

اِطاعت مشروط ہے، چاہے خلیفہ کی ہو، حکومت کی ہو، افسر کی ہو، شوہر کی ہو، یا باپ کی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں کسی کی بھی اِطاعت جائز نہیں۔
اِطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں کی جائے گی۔"

(صحیح مسلم، حدیث:4,765، عن علیؓ)

اُصول نمبر : 8

۸۔ ہم آخری کتاب اور آخری وحی کی داعی اور مبلغ ہیں:

ہم آخری امت ہیں، آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات کے وارث ہیں۔ ہمارا کام دعوت و تبلیغ ہے، ہمیں اپنی اس داعیانہ اور مبلّغانہ حیثیت کا ادراک کرنا ضروری ہے۔ ہم آخری کتاب کے وارث ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخری رسول کی تعلیمات کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات، حضرت داود علیہ السلام کی زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نہ تو اپنی اصلی زبان میں موجود و محفوظ ہیں اور نہ ان کا اصلی مفہوم اور اصلی تعلیمات۔ ہم قرآن و سنّت کی ٹھیٹ اور خالص تعلیمات کے داعی اور مبلّغ ہیں۔

(۱) ہمیں ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ بنایا گیا ہی اسی لئے گیا ہے کہ اولاً ہم توحید کی اشاعت، ثانیاً امر بالمعروف اور ثالثاً نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کے الفاظ چلّا چلّا کر کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تمام عالمِ انسانیت کی ہدایت کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾
(آلِ عمران:110)

”(اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو، تمہیں سارے عالمِ انسانیت کی طرف دعوت کے لئے میدان میں نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی (وحدانیت) پر ایمان رکھتے ہو۔“

(۲) سورۃ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا گیا:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (حٰمٓ سجدہ:33)

"قول کے اعتبار سے اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ (۱) جو اللہ (پر ایمان) کی دعوت دیتا ہے، (۲) نیک اعمال کرتا ہے اور (۳) اعلان کرتا ہے کہ میں بھی سر تسلیم خم کرنے والوں میں شامل ہوں۔"

ہم توحیدِ کامل پر ایمان رکھتے ہیں، اس اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جو واحد اور احد ہے، اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور یگانہ ہے، ہم توحیدِ اُلوہیت، توحیدِ رُبوبیت اور توحیدِ اَسماء و صفات پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ ہماری یہ دعوت اور ہماری یہ سپردگی، انفرادی ہی نہیں، اجتماعی بھی ہے:

﴿وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کے الفاظ یہ کہہ رہے ہیں کہ:

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

(۳) رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (یوسف:108)

"اے محمد ﷺ! اعلان کر دیجیے: 'یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں، میں اور میرے پیروکار سوچ سمجھ کر (دعوت کا یہ کام کر رہے ہیں) ہم اللہ کے ہر عیب اور خامی سے پاک ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور میں مشرکین میں سے ہرگز نہیں ہوں۔"

(۴) ہر مسلمان کو حکم دیا گیا کہ وہ اگر اسلام کی ایک بات بھی جانتا ہو تو وہ اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ یہ دعوت و تبلیغ کی فرضیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً﴾ (صحیح بخاری، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص:3،274)

"میری طرف سے لوگوں کو پہنچا دو، چاہے وہ ایک بات ہی کیوں نہ ہو!"

(۵) اجتماعی طور پر مسلمانوں میں ایک جماعت کا وجود ضروری ہے، جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں دن رات ہمہ وقتی طور پر دعوت و تبلیغ کے عظیم الشان کام میں مصروف و منہمک ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آلِ عمران:104)

"اے مسلمانو! تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے، جو الخیر (اسلام کی تمام بھلائیوں) کی طرف دعوت دے، جس کے افراد نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

یہ دعوت الی اللہ ہے، خالقِ کائنات کی طرف دعوت، یہ رنگ و نسل، وطنیت اور قومیت کی طرف دعوت نہیں ہے، یہ زبان و ثقافت کی دعوت نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کے رنگ میں رنگ جانے کی دعوت ہے۔ یہ مقامی، محلی دعوت نہیں، بلکہ ایک عالم گیر دعوت ہے۔ یہ انسانوں کی تقسیم کی قائل نہیں، بلکہ وحدتِ انسانیت کی طرف اور خدائے واحد کی غلامی اور اِطاعت اختیار کرنے کی دعوت ہے۔

(٦) ہم پر شہادتِ حق کی ذمہ داری ہے:

ہم رسول اللہ ﷺ کے رسول ہیں، اب شہادتِ حق کی ذمہ داری اس امت کے ناتواں کاندھے پر ہے، یہ شہادتِ حق کی گواہی ہی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہے۔ شہادتِ حق سے مراد، حق کی گواہی ہے۔ اسلام کی گواہی ہے۔ آخری وحی کی گواہی ہے۔ قرآن و حدیث کی گواہی ہے۔ یہ گواہی ہر مسلمان کو دینی ہے۔ یہ گواہی قولی بھی ہے۔ عملی بھی ہے۔ انفرادی بھی ہے۔ اور اجتماعی بھی ہے۔ ہمیں دنیا کو بتانا ہے کہ ہم آخری وحی پر سچے دل سے ایمان لا کر گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور تمام انسانیت کی کامیابی کا دارومدار اب قیامت تک اسی گواہی پر موقوف ہے۔ ہمیں قرآن و حدیث کے تمام احکامات پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو دکھانا ہے کہ سچے خدا کے بندے ایسے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام اداروں کو گواہی دینی ہے کہ دیکھو ہماری عدالتوں کا انصاف ایسا ہوتا ہے۔ ہمارے بینکوں کا غیر سودی نظام ایسا ہوتا ہے۔ محبت، ایثار اور قربانی پر مشتمل ہمارا خاندانی نظام ایسا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ و عشر پر مبنی ہمارا اقتصادی نظام ایسا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک عادلانہ اسلامی حکومت ایسی ہوتی ہے۔

(١) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی گواہی کو چھپانا بہت بڑا ظلم ہے:

قرآن و حدیث کی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ایک سچی اور آخری گواہی ہے۔ اس گواہی کو چھپانا بہت بڑا ظلم ہے۔ بنی اسرائیل کے پاس اللہ کی جانب سے اسلام کی گواہی، اُن کے پیغمبروں کے ذریعے آئی، لیکن انہوں نے کتمان سے کام لیا اور اللہ کے احکامات کو چھپاتے رہے، لہٰذا انہیں معزول کیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾

”اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا، جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔“ (البقرۃ:140)

(۲) ہر رسول سے روزِ قیامت شہادتِ حق کا سوال ہو گا:

ہر نبی اور ہر رسول کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں سچی گواہی آتی ہے۔ تمام نبی اور تمام رسول اس سچ کے گواہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے قول واپنے عمل کے ذریعے دنیا کو بتاتے ہیں کہ زندگی کے ہر معاملے میں ان کے خالق کی طرف سے کیا احکامات اور ہدایات دی گئیں ہیں؟ کچھ لوگ اسلام کی اس دعوت کو قبول کر کے اپنے نبی اور اپنے رسول کے ساتھ قولی اور عملی گواہی دیتے ہیں اور کچھ لوگ اس سچی دعوت کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ہر امت سے ایک گواہ کو (یعنی ایک نبی یا رسول کو) کھڑا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے اپنی قوم تک میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ کیا تم نے یہ گواہی دے کر ان پر اتمامِ حجت کر دی تھی؟

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ﴾ (النحل:89)

”(اے محمد ﷺ) انہیں اُس دن سے خبردار کر دیجیے، جب ہم ہر اُمت میں خود اُسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے، جو اُس کے مقابلہ میں شہادت دے گا، اور اِن (قریش کے) لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم آپ ﷺ کو لائیں گے۔“

(۳) ہر نبی سے روزِ قیامت شہادتِ حق کا سوال ہو گا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے منظر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس دن اعمال نامے پیش کئے جائیں گے اور انبیاء اور شہداء کی گواہی رکارڈ کی جائے گی اور پھر لوگوں کے حق میں یا ان کے خلاف ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

﴿ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَٰبُ وَجِايْءَ بِالنَّبِيِّنَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ (الزمر:69)

" (قیامت کے دن) زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، کتابِ اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔"

(۴) رسول اللہ ﷺ سے روزِ قیامت شہادتِ حق کا سوال ہو گا:

روزِ قیامت تمام دیگر انبیاء اور شہداء کے علاوہ، آخری رسول محمد ﷺ کو بھی گواہی کے لئے طلب کیا جائے گا۔ فرمایا گیا:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾

" پھر سوچو کہ اس وقت کیا حال ہو گا؟ جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ (یعنی محمد ﷺ) کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔" (النسا:41)

(۵) امّتِ مسلمہ سے روزِ قیامت شہادتِ حق کا سوال ہوگا:

امّتِ مسلمہ پر محمد ﷺ گواہ ہیں اور ساری دنیا کے غیر مسلموں پر امّتِ مسلمہ گواہ ہے۔ روزِ قیامت امّتِ مسلمہ سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی قولی، عملی اور اجتماعی گواہی دی یا نہیں؟

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:143)

”اسی طرح ہم نے (اے مسلمانو!) تم لوگوں کو ایک معتدل اور متوازن قوم بنادیا، تاکہ تم لوگ ساری دنیا کے انسانوں پر حق کے گواہ بن جاؤ اور رسول اللہ ﷺ تم لوگوں پر گواہ ہوں گے۔“

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَي النَّاسِ﴾ (الحج:78)

”اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ’مسلم‘ رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔ تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں اور تم (ساری دنیا کے) لوگوں پر گواہ۔“

اُصول نمبر : 9

۹۔ ہم ساری دنیا کے انسانوں کے ہمدرد، غم گسار اور خیر خواہ ہیں:

دعوت و تبلیغ کی اس اہم ذمہ داری پر فائز ہوتے ہوئے ہم ساری دنیا کے انسانوں سے خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں، ہم دنیا کے ہر انسان تک توحید کی دعوت پہنچانا چاہتے ہیں، ہم اپنے آپ کو، اپنے گھر والوں کو اور دنیا کے ہر انسان کو دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی دعوت:

خالقِ کائنات اپنی ہر مخلوق کو جنت میں دیکھنا چاہتا ہے، اس نے اس لئے ہدایت کا انتظام و اہتمام کیا ہے، اس لئے نبی اور رسول بھیجے، اس لئے کتابیں نازل فرمائیں، وہ دَارُ السَّلَامِ (سلامتی کے گھر یعنی جنّت) کے طرف دعوت دیتا ہے۔ البتہ آزادئ خیر و شر کا غلط استعمال کرنے والے ہدایت اور صراطِ مستقیم سے محروم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(یونس:25)

”اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر ﴿دارُ السَّلَام﴾ (جنت) کی طرف دعوت دیتا ہے اور پھر (قانونِ آزادئ خیر و شر کے مطابق) جسے چاہے، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کو سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتا ہے۔“

(۲) اللہ تعالیٰ کی دردمندی:

سورۃ النساء میں منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں سے اپنی ہمدردی اور غم گساری کا اظہار ان الفاظ میں فرماتا ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

"اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تم لوگوں کو عذاب سے دوچار کرے، اگر تم شکر گزاری کا رویہ اختیار کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تو ہمیشہ سے (اپنے بندوں کے اعمال کا) قدردان اور علیم ہے (جو ان کے ظاہری اور باطنی اعمال کا مکمل علم رکھتا ہے)۔" (النساء:147)

(۳) عبادت واطاعت کا مطالبہ:

قرآن مجید کے آغاز ہی میں ساری دنیا کے انسانوں سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنا مطالبہ سامنے رکھ دیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:21)

"ساری دنیا کے انسانو اپنے اس ربّ کی عبادت واطاعت اختیار کرو، جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جس نے تم سے پہلے گذرے تمام انسانوں کو بھی پیدا کیا ہے، امید ہے کہ تم لوگ (شرکِ عبادت واطاعت سے) بچنے کی روش اختیار کرو گے۔"

(۴) اہلِ کتاب سے اللہ تعالیٰ کی ہمدردی:

مسلمانوں کو ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ کا خطاب دینے اور انہیں ان کا مقصدِ تخلیق ﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ بتانے کے بعد ان کی تین خصوصیات، توحید، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تذکرہ کرنے بعد، اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب سے اپنی ہمدردی کا اظہار فرماتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (آلِ عمران:110)

"اگر اہلِ کتاب بھی (آخری پیغمبر اور آخری کتاب پر) ایمان لے آتے تو ان کے حق میں کتنا بہتر ہوتا! ان میں سے کچھ لوگ یقیناً ایمان لانے والے ہیں لیکن ان کی اکثریت بد عمل اور نافرمان ہے"۔

اس آیت میں (وَلَوْ) کے الفاظ پر غور فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خیر کا تقاضا کر رہا ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کی ہمدردی اور غم گساری:

سورۃ الکھف میں قرآنِ مجید کی خصوصیت کے تذکرے کے بعد اللہ جل جلالہ عیسائیوں کے غلط عقیدۂ شرک کی نشان دہی کرتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کو دامن گیر فکر پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان غیر مسلموں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ اس آخری کتاب پر ایمان لا کر نہیں دے رہے ہیں، غیر مسلموں کے اس غم میں کہیں آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک نہ کر لیں۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

"(ان حالات میں جب کہ مشرکین اور اہلِ کتاب کو دعوتِ اسلام دی جا رہی ہے) شاید آپ ﷺ غم کے مارے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں کہ یہ اس کتاب پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔" (الکھف:6)

دیکھیے کس قدر نرالا غم ہے، اور غم بھی کس بلا کا ہے؟
یہ ہے انسانوں کے بارے میں فکر مندی اور غم گساری۔
انسان کو شرک جیسے عظیم ظلم اور سب سے بڑی قباحت سے آزاد کرنا ہی اصل کارِ نبوت ہے۔
یہ وہ بنیادی ضرورت ہے، جس کے بغیر کوئی انسان عذابِ جہنم سے نجات حاصل کر کے جنت کی ابدی نعمتوں سے سرشار نہیں ہو سکتا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ہر حال میں حکومت اور امیر کی اِطاعت کرو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
"تم لوگ (امیر اور حکمران کی) اطاعت کو لازمی کر لو، کشادگی کی حالت میں بھی اور تنگی کی حالت میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، چاہے تمہارے اُوپر کسی اور کو ترجیح دی جا رہی ہو۔" (صحیح مسلم، حدیث:4,754، عن ابی ہریرہؓ)

اُصول نمبر : 10

۱۰۔ ہم اسلام کی اس دعوت کو، دنیا کے کسی شخص پر زبردستی مسلط نہیں کرنا چاہتے:

بلاشبہ ہم اسلام کے داعی ہیں، لیکن ہمارے خالق نے اپنی آخری کتاب میں ہمیں اس بات کا پابند کیا ہے کہ اس دین میں زبردستی نہیں ہے، فرمایا گیا:

(۱) سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرۃ:256)

"اس دینِ اسلام میں کسی قسم کی زبردستی بھی نہیں ہے۔"

اگرچہ رُشد و غَیّ کو، صحیح اور غلط کو، حلال و حرام کو الگ الگ کر کے واضح کر دیا گیا ہے، اب اس کے بعد لوگوں کو آزادیٔ اختیار حاصل ہے۔

اسلام خیر و شر کی آزادی (Freedom of Choice) دیتا ہے، اسلام مذہبی آزادی (Freedom of Faith) عطا کرتا ہے۔

(۲) سورۃ الدھر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر:3)

"ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے، (اب یہ اُس کی مرضی ہے) خواہ شکر کرنے والا بنے، یا کفر کرنے والا۔"

اسی سورت الدھر کے آخر میں ہے کہ:

﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ (الدھر:29)

”یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے، اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے۔“

یہ دل کا سودا ہے، بصیرت کی روشنی ہے، جس شخص کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں گی، وہ اس دعوتِ توحیدِ کامل کو قبول کرلے گا۔ بہرحال، ہم اس برحق دعوتِ اسلام کو کسی شخص پر زبردستی مسلط نہیں کرسکتے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یقیناً وہ اللہ کی مرضی اور منشأ کی خلاف ورزی کا مجرم ٹھہرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو تاکید کی گئی۔

﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشیہ:21-22)

”(اے نبی) یاددہانی کرتے رہیے! آپ تو بلاشبہ صرف یاددہانی کرنے والے ہی ہیں۔ آپ ان لوگوں پر داروغہ نہیں ہیں (کہ زبردستی بات منوائیں)۔“

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

امیر کی اِطاعت، اللہ کے آسمانی نظام کا ایک حصہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”جس نے میری اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت کی، جس نے امیر کی نافرمانی کی، اُس نے میری نافرمانی کی۔“ (صحیح مسلم، حدیث:4,747، عن ابی ہریرہؓ)

اُصول نمبر : 11

۱۱۔ ہم اسلامی اَقدار و اَخلاقیات کے پابند ہیں:

اِسلام نے صحیح و غلط کا معیار قائم کیا ہے۔ حلال و حرام میں تمیز کی ہے۔ یہ دینِ اَخلاق ہے۔ ان اخلاقی قدروں کی پابندی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ہم نہ تو عریاں لباس استعمال کر سکتے ہیں اور نہ فحش گفتگو کر سکتے ہیں۔ حلال بالکل واضح ہے اور حرام بالکل واضح ہے۔ ہم اچھے اور برحق مقاصد کے حصول کے لیئے، غلط اور باطل طریقے استعمال نہیں کر سکتے۔

اسلام کہتا ہے کہ مقاصد بھی پاک ہوں اور ذرائع بھی پاک۔

ہم جھوٹ کے مقابلے میں سچائی، حرام کے مقابلے میں حلال، بد خلقی کے مقابلے میں خوش اَخلاقی، سختی کے مقابلے میں نرمی، حسد کے مقابلے میں رشک، زنا اور بدکاری کے مقابلے میں عفت و عصمت جیسی قدروں کے علم بردار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا﴾ (ترمذی، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

یعنی ”ایمان کے اعتبار سے اہلِ ایمان میں زیادہ کامل وہ لوگ ہیں، جو اَخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھے ہیں۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

﴿اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ﴾ (مسند البزّار)

یعنی ”مجھے اخلاقیات کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔“

خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم:4)

"بلاشبہ (اے محمد ﷺ!) آپ اَخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔"

اسلامی تحریک اور اس کے کارکن ان اَخلاقی حدود و قیود سے آزاد نہیں ہوسکتے۔ وہ بساط بھر ان کے پاس و لحاظ کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام میں حلال و حرام کے حدود کا واضح تعین موجود ہے۔

تحلیل و تحریم کا اختیار خالق کائنات ہی کو حاصل ہے۔ قرآن نے خود محمد ﷺ سے کہہ دیا کہ انہیں بھی کسی حلال چیز کو حرام کر لینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ (التحریم:1)

"اے نبی! آپ ﷺ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں، جسے اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال کیا ہے؟"

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ناانصافی کرنے والا امیر اور ذمہ دار جنت سے محروم ہوسکتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا ذمہ دار بنایا، اگر وہ اس حال میں مرے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔"

(صحیح مسلم، حدیث:4,729، عن معقل بن یسار المزنیؓ)

اُصول نمبر : 12

۱۲۔ ہمارے لئے ہدایت کے دو مستقل اور دائمی سرچشمے قرآن و سنّت ہیں:

اسلامی تحریک قرآن وسنّت کو دو مستقل اور دائمی سرچشمے سمجھتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ ﴾ (موطا امام مالک)

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہو سکو گے، اگر ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لو، (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) اس کے نبی ﷺ کی سنّت۔"

دراصل اسلام نام ہے اس وحی کا، جو پیغمبروں پر اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اب یہ آخری رسول محمد ﷺ پر کی جانے والی وحی کی صورت میں محفوظ ہے۔

مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان دو بنیادی ماخذوں کے ماتحت اپنی زندگی بسر کریں۔ ان سے تجاوز اور پیش قدمی نہ کریں۔

- سورت الحجرات کی پہلی آیت میں، جو ایک اُصولی، دستوری، قانونی اور اعتقادی حیثیت رکھتی ہے، ارشاد ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (الحجرات:1)

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

سورۃ آلِ عمران میں بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کی اطاعت پر اللہ کی رحمت کا انحصار ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورۃ آلِ عمران:132)

"اور (مسلمانو!) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو! (اسی صورت میں) توقع کی جاسکتی ہے کہ تم لوگوں پر رحم کیا جائے گا۔"

آپ ﷺ پر کی جانے والی وحی کی دو (۲) اقسام ہیں:

(۱) وحیِ جلی—القرآن—اس کو ﴿وحی مَتلوّ﴾ بھی کہتے ہیں، جس کی تلاوت کی جاتی ہے

(۲) وحیِ خفی—حدیث—اس کو ﴿وحی غیر مَتلوّ﴾ بھی کہتے ہیں۔

A. قرآن حجّت اور سر چشمۂ ہدایت ہے:

○ قرآن کا موضوع انسان ہے:

اللہ تعالیٰ انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اپنی آخری کتاب میں فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (الانبیاء:10)

"لوگو، ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے، کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (سمجھتے نہیں ہو؟)"

یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ قرآن مجید کا موضوع "انسان" ہے، انسانوں کی ہدایت ہی کے لئے یہ کتاب نازل کی گئی ہے، یہ کتاب مطالبہ کرتی ہے کہ اس پر غور و فکر کیا جائے، اسی میں انسان کا فائدہ ہے۔

- قرآن کا ﴿اولوا الالباب﴾ سے مطالبہ ہے کہ وہ ﴿تدبر﴾ و ﴿تذکر﴾ سے کام لیں:

ارشاد ہوا:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص:29)

"یہ ایک بڑی بابرکت کتاب ہے، جو (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ، یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔"

اس آیت میں چار الفاظ بہت اہم ہیں: "اُولُوا الْاَلْبَابِ"، "مُبٰرَكٌ"، "تَدَبُّر" اور "تَذَکُّر"

❖ ﴿الْاَ لْبَابِ﴾: لُبّ کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے کسی چیز کا خالص حصہ، ﴿لَبِيْب﴾ دانا کو کہتے ہیں، ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ سریع الفہم وہ لوگ ہیں، جو بات کی تہ تک بہت جلد پہنچ جاتے ہیں، غرض و غایت پر نگاہ رکھنے والے افراد ہوتے ہیں۔

❖ مُبٰرَكٌ: وہ چیز ہے، جس میں اللہ کی طرف سے خیر ہی خیر ہو، بھلائی ہی بھلائی ہو، فائدہ ہی فائدہ ہو، اور توقع سے زیادہ خیر اور بھلائی ہو (Beyond all Expectations)۔

❖ تَدَبُّر: (دُبُر) پشت یعنی پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو چھپا ہوا ہوتا ہے،

تَدَبُّرُ اَمر کا مطلب ہے کسی چیز کے انجام کے بارے میں غور و فکر کرنا۔

﴿تدبُّر اَمر﴾ حقیقت جاننے کے لئے (چھپی ہوئی چیزوں پر) غور و فکر کرنے کو کہتے ہیں۔

﴿تدبُّر﴾ انتظامی اور سیاسی صلاحیت کو کہتے ہیں۔

﴿مُدَبِّر﴾ سوجھ بوجھ رکھنے والے منتظم کو کہتے ہیں۔

❖ تَذَکُّر: کسی چیز کو مسلسل یاد کرتے رہنا اور اس سے نصیحت حاصل کرتے رہنے کو کہتے ہیں:

ان چاروں الفاظ کا جائزہ لینے کے بعد، اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ (اُولُوا الْاَلْبَابِ) سریع الفہم دانا لوگوں کو چاہیئے (جو غرض و غایت پر نگاہ رکھتے ہیں) کہ وہ اس آخری کتاب پر مسلسل (تَدَبُّر) غور و فکر کرتے رہیں۔ اس میں چھپی ہوئی حکمتوں کو سراغ لگاتے رہیں اور (تَذَکُّر) سے اپنے دل و دماغ میں مسلسل یاد رکھتے ہوئے مسلسل نصیحت حاصل کرتے رہیں تاکہ خالقِ کائنات کے کلام سے وہ تمام فوائد اور برکات سمیٹ لیں، جن کی توقع انسانی عقل نہیں کر سکتی، جو انسان کی توقعات سے زیادہ اسے فیض پہنچانے والی ہے۔

حاصل کلام:

قرآن اور احادیث صحیحہ ہی حجت اور سند ہیں، دنیا کے ہر اختلاف کو ان دو پیمانوں ہی پر جانچا اور پرکھا جائے گا، ہماری ہدایت کے لئے یہی دو اصلی اساسی اور بنیادی سرچشمۂ ہدایت ہیں۔ یہی دو بنیادی ماخذ ہیں۔

Quran and the Sunnah are the only two Sources of guidauce and the only two Sources of Divine Law.

B. احادیث بھی قرآن کے بعد حجت، سند اور سرچشمہ ہدایت ہیں:

احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے لئے قرآن نے الْحِكْمَة (دانائی)، الْمِيْزَان (ترازو)، اور النُّوْرُ (روشنی) کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔

اِسی لیے ہم اصطلاحی طور پر، احادیث کو "وحیِ خفی" اور "وحیِ غیر متلو" کا نام دیتے ہیں۔

(۱) چنانچہ قرآن میں، احادیثِ نبوی کے لئے "الْمِيْزَان (ترازو)" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا:

﴿اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ (الشوریٰ:17)

"اللہ ہی ہے، جس نے حق کے ساتھ کتاب (قرآن) نازل کی اور میزان (حدیث) بھی"۔

(۲) قرآن میں، احادیثِ نبوی کے لئے "الْحِكْمَة (دانائی)" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾

"اے محمد ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن) بھی نازل کی ہے اور حِکمت (وحیِ خفی یعنی حدیث) بھی اور آپ ﷺ کو وہ سب چیزیں سکھائیں، جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے"۔ (النساء:113)

(۳) قرآن میں، احادیثِ نبوی کے لئے "النُّوْرُ (روشنی)" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

ارشاد مبارک ہے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾ (التغابن:8)

"لہٰذا اللہ پر ایمان لاؤ! اور اُس کے رسول ﷺ پر بھی ایمان لاؤ!

اور اُس نُور (وحیِ خفی یعنی حدیث) پر بھی، جو ہم نے نازل کیا ہے، ایمان لاؤ"!

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ﴾ (المائدہ:15)

"یقیناً تم لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے نُور (وحیِ خفی) بھی آگیا ہے اور کتابِ مُبین بھی"

○ قرآن کی تبیین (تشریح اور وضاحت) کی ذمہ داری بھی رسول اللہ ﷺ کو دی گئی:

سورۃ النحل کی مندرجہ ذیل دو آیات پر غور کیجئے۔ صاف معلوم ہو جائے گا کہ احادیثِ رسول اللہ ﷺ، قرآن کی تشریح و وضاحت کے لئے ہیں۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (النحل:44)

"اور ہم نے یہ ذکر آپ ﷺ پر اِس لیے نازل کیا ہے، تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی (تبیین) تشریح و توضیح کرتے جائیں، جو اِن کے لیے اتاری گئی ہے۔"

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾ (النحل:64)

"ہم نے یہ کتاب آپ ﷺ پر اِس لیے نازل کی ہے کہ آپ ﷺ اُن اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دیں (یعنی تبیین کریں)، جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔"

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾

"ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف نازل کی ہے، تاکہ جو روشنی اللہ نے آپ کو دکھائی ہے، اُس کے مطابق آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔" (النساء:105)

اس آیت میں، ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ سے مراد، وحیِ خفی (حدیث) ہے، یعنی وہ خاص روشنی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی ہے، جس کی روشنی میں آپ ﷺ لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے۔

ہر زبان کی طرح، عربی زبان اور قرآن میں بھی ایک ہی لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ اہلِ زبان سلسلۂ کلام سے ہر جگہ پر وہ مخصوص مطلب لیتے ہیں، جو متکلم کا مقصود اور مدعا ہوتا ہے۔

یہ ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ وہی چیز ہے، جس کے لیے قرآن مجید کے بعض دیگر مقامات پر (النُّور)، (الْمِيْزَان) اور (الْحِكْمَةُ) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں-یعنی احادیثِ مبارکہ۔

تمام اختلافی معاملات میں، قرآن وحدیث ہی حَکَم ہیں:

- اختلافی معاملات کے سلسلے میں خود قرآنِ مجید نے قرآن وسنت دونوں کو حَکَم بنانے کی ہدایت کی ہے۔ قرآنِ مجید کی دو آیتیں ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں،

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

پھر اگر تمہارے (اور اولوا الامر کے) درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے

تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾

اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔" (النساء:59)

اس آیت میں چند باتوں پر غور فرمائیے:

(۱) اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ ﴿اَطِيْعُوْا﴾ کا لفظ دو مرتبہ الگ الگ استعمال کیا گیا ہے، لیکن ﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ کے ساتھ یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت مطلق (Absolute) ہے، جبکہ ﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ کی اطاعت، مقید اور حدود و قیود کی پابند ہے۔

(۲) اللہ اور رسول ﷺ سے تنازعہ اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ البتہ ﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ (یعنی خلیفہ ، امراء، حکّام، فقہاء، علماء، والدین، شوہر وغیرہ) سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ سے اختلاف کی صورت میں، اللہ اور رسول ﷺ یعنی قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اسی لیے ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کا حکم دیا گیا ہے۔
یعنی ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ﴾ کتاب و سنت سے رجوع کرو۔

(۴) اگر قرآن و سنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ متنازعہ فریقوں کا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں ہے۔

اب دوسری آیت ملاحظہ فرمایئے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:65)

" اے محمد ﷺ! ہرگز نہیں! آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے، جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ ﷺ فیصلہ کریں، اُس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ آپ ﷺ کے فیصلے کو سربسر (دل کی گہرائیوں کے ساتھ) تسلیم کرلیں۔"

اس آیت میں چند چیزوں پر غور کیجیے:

(۱) رسول ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔ ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾

(۲) رسول ﷺ کے فیصلوں کی قانونی اور آئینی حیثیت بھی ہے۔ رسول ﷺ قاضی یعنی جج بھی ہیں۔ تمام اختلافی مسائل میں رسول ﷺ کو قاضی اور جج تسلیم کیا جائے گا۔ ﴿يُحَكِّمُوكَ﴾

(۳) رسول ﷺ ایک مومن کے لیے، ایسے قاضی اور جج ہیں، جن کے ہر فیصلے کو "خوش دلی" سے قبول کرنا ضروری ہے، یعنی دل کی کیفیت ایسی ہو کہ اُس میں رسول ﷺ کے فیصلے کے بارے میں کوئی تنگی نہ پائی جائے۔ ﴿لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾ رسول ﷺ عام قاضیوں کی طرح کے کوئی قاضی نہیں ہیں، جن کے فیصلوں سے آپ اختلاف کرسکتے ہیں، بالاتر عدالت سے رجوع کرسکتے ہیں۔

رسولِ معصوم ﷺ کے فیصلے کو کسی برتر عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ یہ فیصلے اللہ تعالیٰ کی زیر نگرانی کیے گئے ہیں، جو عدالتِ عالیہ ہے۔

(۴) ﴿ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ مفعولِ مطلق ہے۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو دل کی گہرائیوں سے رسول ﷺ کے تمام فیصلوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔

(۵) منکرینِ حدیث ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ وہ حدیث کی اندھی مخالفت میں منکرینِ حدیث ہی نہیں رہتے، بلکہ منکرینِ قرآن بھی ہو جاتے ہیں۔

(۶) ﴿ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ کے الفاظ سے ہمیں واضح قرآنی ہدایت ملتی ہے کہ ہم اپنے تمام اختلافی مسائل میں، رسول ﷺ اور آپ کی احادیث سے رہنمائی حاصل کریں۔

احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا ہے:

احادیث اور سنت سے مسلمانوں کے اختلافات میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ ان میں کمی ہوتی ہے یا پھر اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(۱) قرآن میں اللہ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ کس قدر کاٹا جائے؟ لوگ اختلاف کرتے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے: کندھے تک ہاتھ کاٹا جائے۔ کوئی کہتا ہے: کہنی تک کاٹا جائے۔ کوئی کہتا ہے: کلائی تک کاٹا جائے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ صرف انگلیاں کاٹی جائیں۔ رسول ﷺ کی سنت اس اختلاف کو ختم کر کے امت کو متحد کرتی ہے کہ ہاتھ کلائی (پہونچے) تک کاٹا جائے۔ اگر صرف قرآن ہی پر اکتفا کیا جائے تو اختلافات بڑھ جائیں گے، کم نہ ہوں گے۔

(۲) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفنایا جائے؟ حضرت ابو بکرؓ نے حدیث پیش کی: نبی وہیں دفنایا جاتا ہے، جہاں اُس کی روح قبض ہوتی ہے۔ (ترمذی)۔ اختلاف ختم ہو گیا۔

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے اختلاف کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ بھی تقسیم ہونا چاہیے، لیکن جب حدیث پیش کی گئی: ہمارا (یعنی انبیاء کا) ورثہ تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں، وہ صدقہ ہے، تو اختلاف ختم ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

(۴) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد، انصار نے رائے پیش کی کہ ایک امیر قریش میں سے ہو گا اور ایک امیر انصار میں سے ہو گا۔ اس موقع پر حدیث پیش کی گئی: امام اور خلیفہ قریش میں سے ہوں گے۔ اختلاف ختم ہو گیا۔

اس طرح بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور ثابت شدہ احادیث ہمارے لیے رحمت ہیں۔ اِن سے اختلافات کم ہوتے ہیں، بلکہ اِن سے اختلافات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اِن سے امت کے اندر اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے، اور گروہ بندی اور فرقہ پرستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

- اسلامی تحریک سے وابستہ افراد کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ من جانب اللہ ہوتا ہے، وہ اپنی خواہشاتِ نفس سے کبھی کلام نہیں کرتے تھے۔ کبھی اجتہادی گفتگو کی جو منشائے الٰہی کے خلاف ہوئی تو فوراً وحی کے ذریعے اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔

سورۃ النجم میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ (النجم:4-3)

"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔یہ تو ایک وحی ہے، جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔"

- آپ ﷺ کے دہنِ مبارک سے دو(2) چیزیں نکلی ہیں: قرآن اور حدیث

یہی وہ دو چیزیں، مِن جانِبِ اللہ ہیں، اور وحی ہیں۔

یہی دو(2) چیزیں ہمارے لئے ابدی اور دائمی طور پر سرچشمۂ ہدایت ہیں۔

یہی دو(2) اسلام کے بنیادی ماخذ ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حکمران اور امیر کی نرمی اور سختی

رسول اللہ ﷺ نے دعا اور بددعا فرمائی:

"اے اللہ! میری اُمت کا جو حکمران اور ذمہ دار سختی اختیار کرے تو تو بھی اُس پر سختی کر!

اور اگر وہ نرمی کرے تو اے اللہ! تو بھی اُس کے ساتھ نرمی کر!"

(صحیح مسلم، حدیث:4,722، عن عائشہؓ)

اُصول نمبر : 13

۱۳۔ عالم گیریت اور محلّیّت:

اسلامی تحریک اپنی اصل اور اپنے مزاج میں عالم گیر ہے۔

یہ رب العالمین کی طرف دعوت ہے، یہ رحمۃ العالمین ﷺ سے محبت اور ان کے اتباع کی دعوت ہے، ہر ملک کے لئے ہے، ہر نسل کے لئے ہے، ہر براعظم کے لئے ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان رمضان کے مہینے میں ایک ساتھ روزے رکھتے ہیں۔ حج کا اجتماع بھی ہر سال مکہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں منعقد ہوتا ہے اور یہ بھی ایک عالم گیر اجتماع ہے۔ قرآن کی دعوت، تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

" ساری دنیا کے لوگو! اِطاعت وعبادت کرو اپنے اس رب کی، جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگ جو ہو گزرے ہیں، ان سب کا خالق ہے، توقع ہے کہ تم لوگ (شرک سے) بچو گے " (البقرة:21)

ساری دنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے لئے بھائی ہیں۔ لیکن آج اکیسویں صدی میں دنیا کے سوا ارب مسلمان مختلف ممالک میں آباد ہیں۔ کچھ ایسے ممالک ہیں، جہاں مسلمان 99% سے زیادہ ہیں، کہیں 90% سے زیادہ ہیں، کہیں 50% سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح کہیں 50% سے کم ہیں، کہیں 20% سے کم ہیں، کہیں 10% سے کم ہیں، کہیں 5% سے کم ہیں اور کہیں 2% سے بھی کم۔ کہیں مسلمان اکثریت میں ہیں اور کہیں اقلیت میں۔

اسلامی تحریک، غلبۂ اسلام کی تحریک ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی تحریک ہوتے ہوئے، اپنے ملک کے محلی اور مقامی سیاسی حالات کا اعتبار کرتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی (strategy) کا تعین کرتی ہے۔

اس تحریک کا نصب العین، سب کے لئے رضائے الٰہی اور جنّت کا حصول ہے، لیکن مقامی اور محلی حالات کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے مختلف قسم کا طریقہ کار اختیار کرتی ہے۔ مثال کے طور پر مصر اور پاکستان میں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں وہ اسلامی قوانینِ شریعت کے کامل نفاذ کی جدوجہد کرتی ہے۔ الیکشن میں حصّہ لیتی ہے۔ صالح افراد کو آگے بڑھاتی ہے۔ متبادل قیادت پیش کرتی ہے۔ آئینی اور جمہوری راستہ اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اور غیر مسلموں کو اتباعِ شریعت کی برکات سے آگاہ کرتی ہے۔

وہ ممالک جہاں کئی سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور جہاں مسلمانوں کے مضبوط ادارے قائم ہیں لیکن وہ اَقَلِّیَّت میں ہیں، جیسے ہندوستان، وہاں وہ اقلیت میں ہوتے ہوئے دین اسلام کی دعوت کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ مسلمانوں کو دین کے جامع مفہوم سے آگاہ کرتی ہے، بے عمل مسلمانوں کو عمل پر آمادہ کرتی ہے۔ غیر سودی کواپریٹیو سوسائیٹیز کے ذریعے غیر سودی قرض فراہم کرتی ہے۔ اور سود کی تباہ کاریوں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو باخبر کرتی ہے۔

مغربی ممالک میں تحریکی کام:

مغربی ممالک میں جہاں مسلمان 5% سے بھی کم ہیں، اسلامی تحریک ان کی اجتماعیت پر زور دیتی ہے۔ مسجدیں تعمیر کرتی ہے، اسلامی اسکول اور مدرسے قائم کرتی ہے۔ قبرستانوں کے لئے زمین خریدتی ہے، حلال گوشت کی فراہمی میں سہولت کار بنتی ہے، سودی نظام کے اثرات سے باخبر کرتی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں میں دعوت کے کام کی اہمیت اجاگر کرتی ہے۔

مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرتی ہے اور انہیں اپنی زندگی دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ مغرب میں ایک اقلیت کی حیثیت سے تحریک کے سامنے کئی فکری اور عملی چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے، جن میں مندرجہ ذیل چیزیں بڑی اہم ہیں۔

(۱) عیسائیوں میں توحید کی دعوت۔

(۲) منکرین خدا، منکرینِ آخرت، ملحد، اور دین بیزار عناصر میں دین کی دعوت۔

(۳) مادہ پرست اور شہوت پرست افراد میں دین کی دعوت۔

(۴) بلاامتیاز مذہب وملت ورنگ ونسل خدمتِ خلق۔

الغرض مقامی ضرورتوں اور مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھنا اسلامی تحریک کے لئے لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے آنے والے نئے مسلمانوں کے لئے مغرب میں قیام کا ابتدائی مرحلہ بہت نازک اور خطرناک ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کو دو (2) قسم کے رویوں سے بچانا پڑتا ہے۔

مغرب سے مرعوبیت اور مغرب کی اندھی نقالی اور مشرقی روایات سے اندھا تمسک۔

مشرقی روایات کا تنقیدی جائزہ پیش کرنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ روایات کس حد تک اسلامی ہیں اور کس حد تک غیر اسلامی۔ قرآن و حدیث کی ابدی تعلیمات کی روشنی میں نئی سرزمین پر نئے راستوں کی تلاش کے بغیر ہم آگے کا سفر طے نہیں کر سکتے۔

اُصول نمبر : 14

۱۴۔ تحریک، مقامی قوانین کی پاسداری کرتی ہے:

اسلامی تحریک ہر ملک میں مقامی قوانین کی پاسداری کرتی ہے، وہ زمین میں فساد برپا نہیں کرتی۔ اسلامی تحریک کا یہ کامل یقین اور ایمان ہوتا ہے کہ معاشرے کی تعمیر اعلیٰ کردار کے حامل خدا پرست لوگوں کی صالح جماعت ہی سے ہو سکتی ہے۔ ایسے توحید پرست جو صبح شام خوف و طمع کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں، جو اللہ کی رحمت کے طالب ہیں، جو قتل وغارت گری، اور زنا اور لواطت، سود اور استحصال، عریانی اور بے لباسی، دنیا پرستی اور بے دینی کے فساد سے زمین کو پاک کرنا چاہتے ہیں اور جو اصلاح کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فساد سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ کی رحمت ایسے اصلاح پسند افراد کے بالکل قریب ہوتی ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الاعراف:56)

" زمین میں فساد برپا نہ کرو، جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔ "

اسلامی تحریک، اپنی دعوت کے ذریعے لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنا چاہتی ہے، اسلام کی حقانیت کو ان پر واضح کر کے انہیں قائل اور مطمئن کرنا چاہتی ہے۔

مقامی قوانین کو بتدریج اسلامی بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔

اُصول نمبر : 15

۱۵۔ تحریک، کوئی خفیہ گروہ یا کوئی زیرِ زمین فرقہ نہیں ہے:

اسلامی تحریک، اپنے مزاج کے اعتبار سے اپنی دعوت کو ڈنکے کی چوٹ پر علی الاعلان، ببانگ دہل نرمی اور محبت کے ساتھ لوگوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہے۔ یہ کوئی خفیہ گروہ ، یا کوئی زیرِ زمین فرقہ نہیں ہے۔ اللہ کے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ برس تک لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت رکھی۔ ان کی دعوت کے چار بنیادی نکات تھے۔ (۱) اللہ کی عبادت کرو، (۲) اللہ ہی کا تقویٰ اختیار کرو، (۳) اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ سے استغفار کرو، (۴) میں اللہ کا رسولِ وقت ہوں، میری پیروی کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو صبح وشام دعوت دی۔ جہری دعوت دی۔ علی الاعلان دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوہ صفا پر چڑھ کر علی الاعلان دعوت دی۔ (ہاں! اگر مسلمانوں کی تعداد گنی چنی ہے اور حکومتِ وقت ان کے قتل کے درپے ہے تو پھر اصحابِ کہف کی طرح غاروں میں چھپ کر جان بچائی جاسکتی ہے، لیکن جن جن ملکوں میں اظہارِ رائے اور مذہب کی تبلیغ کی آزادی میسر ہو، وہاں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل کو استعمال کرتے ہوئے آخری کتاب اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ توحید پر مشتمل اللہ تعالیٰ کی آیات کو پھیلا دیں۔ فرمایا گیا۔

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (الحجر:94)

"لہٰذا (اے نبی) جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اُسے عام کیجئے (پھیلا دیجئے) اور مشرکوں سے اِعراض کیجئے۔"

قرآن مجید میں (15) پندرہ سے زیادہ مرتبہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ کے الفاظ سے ساری دنیا کے انسانوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ یہ دعوت نہ تو خفیہ رکھنے کے لیے آئی ہے اور نہ خفیہ رہنے کے لیے۔ اس دعوت کو دنیا کے ہر ملک میں پھلنا اور پھولنا ہے، الا یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہو اور اُنہیں اپنی جان کے بارے میں سنجیدہ خدشات لاحق ہوں۔ ایسے عظیم الشان بین الاقوامی دین کو غالب کرنے کے لیے بعض نادان جذباتی نوجوان زیر زمین تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس فکر کی اصلاح ضروری ہے۔

ماتحتین کے ساتھ عدل وانصاف کا اجر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"بلاشبہ انصاف کرنے والے (حکمران اور امیر) اللہ کے پاس روشنی کے میناروں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال کے معاملے میں، جن کے وہ ذمہ دار ہیں، عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 4,721، عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ)

اُصول نمبر : 16

۱۶۔ تحریک شریعت اور فقہ کے درمیان تمیز کرتی ہے:

اسلامی تحریک شریعت(Divine Law) اور فقہ (Jurisprudence) کے درمیان تمیز کرتی ہے۔ وہ شارع اور فقیہ (Jurist) میں بھی امتیاز کرتی ہے۔

شریعتِ محمدی ﷺ:

شریعتِ محمدی سے مراد، قرآن و سنت کا ابدی قانون(Divine Law) ہے، جو رسولِ معصوم کے ذریعے دیا جاتا ہے۔

شریعت سے مراد، وہ ابدی، دائمی اور آخری قانون ہے، جو آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی شارع (Law Giver) ہے۔ قرآن کے ساتھ، حدیثِ رسول ﷺ بھی، ایک آسمانی ماخذِ قانون (Divine Source of Law) ہے۔ حدیث کے ماخذِ قانون ہونے پر تمام فقہی مذاہب کے اماموں اور علماء کا اتفاق ہے، جن میں حنفی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، مالکی رحمۃ اللہ علیہ، ظاہری رحمۃ اللہ علیہ، حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ حدیث وغیرہ شامل ہیں۔

فقہ(Jurisprudence):

فقہ(Jurisprudence) سے مراد، استنباطی قوانین (Derived Laws) ہیں، جو غیر معصوم فقہاء(Jurists) اور علماء کی فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م:32ھ)، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م:68ھ)، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، ابنِ جریج رحمۃ اللہ علیہ، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ،

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ)، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م 179ھ)، امام لیث رحمۃ اللہ علیہ (م 175ھ)، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م 204ھ)، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (م 157ھ)، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م 161ھ)، امام اسحٰق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ (م 238ھ)، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م 241ھ)

امام داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ (م 275ھ)، امام ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (م 456ھ)، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م 728ھ)، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1250ھ)، وغیرہ وغیرہ فقہاء ہیں، شارع نہیں ہیں۔

- شریعت کبھی نہیں بدلتی، یہ ایک دائمی اور ابدی چیز ہے، جب کہ فقہ ہر دور میں بدلتی رہتی ہے اور ہر ملک کے مسائل کا وقتی جواب ہوتی ہے، فقہ کو بدلتے رہنا چاہیے۔
- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 80ھ میں پیدا ہوئے اور 150ھ میں انتقال فرمایا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی بنیاد کوفی تابعین (قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) اور کوفی صحابہ بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات پر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بنواُمیہ کا دور بھی دیکھا اور بنو عباس کا بھی۔
- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ 93ھ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے علم مدینے کے تابعین (عروۃ رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، نافع رحمۃ اللہ علیہ، زھری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) سے حاصل کیا اور انہوں نے مدینے میں مقیم صحابہ رضی اللہ عنہم (ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) سے علم حاصل کیا۔
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ 150ھ میں پیدا ہوئے اور 204ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ بنو عباس کا دورِ خلافت تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مدنی روایات کا علم حاصل کیا۔ پھر بصرہ، کوفہ اور بغداد جاکر عراقی روایات کا علم حاصل کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مدنی مکتبۂ فقہ اور عراقی مکتبۂ فقہ کو جمع کرنے والے ہیں۔ پھر یہ مصر گئے اور مصر میں ملنے والی احادیث کی روشنی میں اپنے نئے مکتبِ فقہ کی بنیاد رکھی۔ مصر میں انتقال فرمایا۔

o امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے 241ھ میں وفات پائی۔ ان کا زمانہ بھی بنو عباس کی خلافت کا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے ابتداء میں امام شافعی رحمۃ اللہ سے استفادہ کیا۔ مشہور علمائے حدیث امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ ہی کے شاگرد ہیں۔ مسند احمد ان کی مشہور تصنیف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے شاگردوں میں، مندرجہ ذیل مشہور محدثین شامل ہیں۔

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ : پیدائش 194ھ۔۔۔ وفات 256ھ

(۲) امام مسلم رحمۃ اللہ : پیدائش 204ھ۔۔۔ وفات 261ھ

(۳) امام ابو داؤد رحمۃ اللہ : پیدائش 202ھ۔۔۔ وفات 275ھ

(۴) امام ترمذی رحمۃ اللہ : پیدائش 209ھ۔۔۔ وفات 279ھ

(۵) امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ : پیدائش 209ھ۔۔۔ وفات 273ھ

فقہاء (Jurists) قرآن کی کسی خاص آیت کی تعبیر میں، یا پھر کسی حدیث یا اس موضوع پر موجود دیگر احادیث کی تعبیر میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں، بعض اوقات یہ اختلاف سہو و نسیان کا رہا ہے اور بعض اوقات یہ اختلاف واقفیت اور عدم واقفیت کا رہا ہے۔

لیکن کسی فقیہ نے نہ تو کسی قرآنی آیت کا انکار کیا اور نہ رسول ﷺ کی کسی ثابت شدہ حدیث کا انکار کیا، اور نہ اِن دونوں کے بنیادی اور اساسی ماخذِ قانون ہونے پر اختلاف کیا۔

فقہا کا یہ اختلاف، رائے کا اختلاف ہے، تعبیر کا اختلاف ہے، اجتہادی اختلاف ہے، ایسے اختلاف کے بارے میں رسول ﷺ نے ہمیں خوشخبری سنائی ہے کہ غلطی کی صورت میں ایک اجر اور فہم صحیح کی صورت میں دو اجر ملتے ہیں۔

﴿إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ﴾ (مسلم، کتاب الاقضیہ، باب:6، حدیث 4584)

"جب حاکم (قاضی، جج) اجتہاد سے (حسنِ نیت اور شدید غور و فکر سے) فیصلہ کرے اور فیصلہ درست ہو تو اسے دوہرا اجر ملے گا، لیکن اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تب بھی اُس کے لیے ایک اجر ہے"۔

فقہاء کا یہ اختلاف، بنیادی ماخذوں پر ایمان کا اختلاف نہیں ہے۔

مزید براں ان تمام فقہی مذاہب کے ائمۂ کرام نے صاف صاف یہ کہہ دیا کہ رسول ﷺ کی ثابت شدہ احادیث کے مقابلے میں ہماری رائے، ہمارے اقوال اور ہمارے فتاویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اجتہاد فرضِ کفایہ ہے:

اجتہاد فرضِ کفایہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

" اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے آبادی کے ہر حصہ میں سے "کچھ لوگ" نکل کر آتے اور دین کی (تَفَقُّہ) سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے، تاکہ وہ بھی (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔" (التوبۃ:122)

اُصول نمبر : 17

۱۷۔ ہم اجتہاد اور ایک لچکدار فقہ پر یقین رکھتے ہیں، ہم جامد مقلد نہیں ہوسکتے:

اسلامی تحریک، اجتہاد پر یقین رکھتی ہے، تقلیدِ جامد کی مذمت کرتی ہے۔

امت میں ایسے بڑے علماء کا ہونا ضروری ہے، جو قرآن وحدیث کے ماہر ہوں، جن میں اجتہاد کی صلاحیت موجود ہو، جو قرآن وسنت کی دائمی اور ابدی تعلیمات کی روشنی میں، نئے زمانے اور نئے حالات کی رعایت کرتے ہوئے، نئے پیش آمدہ مسائل کا جواب دے سکیں۔

بدقسمتی سے تیسری صدی ہجری کے بعد امتِ مسلمہ جب زوال کا شکار ہوئی تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور سب کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ کسی ایک امام ہی کی پیروی کریں۔ اپنے اپنے امام کے بارے میں غلو سے کام لیا گیا اور امام وفقیہ کو شارع اور رسول کا درجہ دے دیا گیا۔ بلکہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ

(۱) اگر ہمارے امام کے فتوے کے خلاف، کوئی قرآنی آیت مل جائے تو قرآنی آیت کو منسوخ کیا جائے گا، یا اس کی تطبیق کی جائے گی، یا اس کی تاویل کی جائے گی۔

(۲) اگر ہمارے امام کے فتوے کے خلاف، کوئی صحیح حدیث مل جائے تو صحیح حدیث کو منسوخ کیا جائے گا، یا اس کی تطبیق کی جائے گی، یا اس کی تاویل کی جائے گی۔ (اصول کرخی)

جب کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ صاف صاف بتاتا ہے کہ تمام اختلافی معاملات میں قرآن وسنت ہی حرفِ آخر ہوں گے۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:59)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

اسلامی حکومت کے عہدے تگڑے شخص کو دیے جائیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"حضرت ابو ذر غفاریؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھے کوئی حکومتی عہدہ نہیں دیتے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

اے ابو ذر! تم ایک کمزور آدمی ہو۔ اور یہ عہدے ایک امانت ہیں اور قیامت کے دن رسوائی، ندامت اور شرمندگی کا سبب بنیں گے، سوائے اُس شخص کے لیے جس نے حق کے ساتھ اسے حاصل کیا اور ذمہ داری کے ساتھ فرض کو ادا کیا۔"

(صحیح مسلم، حدیث:4,719، عن ابی ذرؓ)

اُصول نمبر : 18

۱۸۔ ہم نبوی روحانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور رہبانیت سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں:

اسلامی تحریک نبوی روحانیت پر یقین رکھتی ہے، لیکن رہبانیت کی بدعت سے لاتعلقی کا اعلان کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے 600 سال پہلے کا ہے۔ آپ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو سو (۲۰۰) سال بعد ہی حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں پر رہبانیت نے حملہ کیا، چنانچہ مصر، شام، ترکی، وغیرہ میں خانقاہیں بنتی گئیں اور بے شمار راہب پیدا ہونے لگے۔ قرآن نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ بدعت عیسائیوں نے نیک نیّتی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں ایجاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہرگز ہرگز فرض نہیں کیا تھا۔

سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا:

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ

”ان کے بعد ہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے، اور ان سب کے بعد عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو مبعوث کیا اور ان کو انجیل عطا کی۔“

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً

”اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔“

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

"اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کرلی۔ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی۔"

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

"اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔"

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

"ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا،"

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحدید:27)

مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔"

رہبانیت اور نبوی روحانیت میں فرق یہ ہے کہ رہبانیت میں ترکِ دنیا، ترکِ نکاح، اور تمدّن بیزاری کی تعلیم دی جاتی ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوی روحانیت میں انسان کی طبعی اور جبلّی خواہشاتِ نفس اور جنسی جذبات کا نہ صرف پاس ولحاظ کیا گیا ہے، بلکہ نفس کو اعتدال کا سبق سکھایا گیا ہے۔ نبوی روحانیت اولاً فرائض کی کماحقہ اہمیت کا احساس دلاتی ہے، پھر اس کے بعد نوافل کے ذریعے تہذیبِ نفس کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ فرائض ہوں یا نوافل، انہیں حسن اور خوبصورتی کے ساتھ انجام دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تحریک اسلامی احسان کی دعوت دیتی ہے:

احسان، اسلام کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ ہر چیز اور ہر عمل کو سنت کے مطابق نہایت خوبصورتی اور حُسن کے ساتھ ادا کرنے کا نام احسان ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث کہتی ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کو لازم ٹھہرایا ہے۔"

عبادات میں بھی احسان ہے اور معاملات میں بھی۔ معاشرت میں بھی احسان ہے اور اخلاقیات میں بھی۔ یہاں تک کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اور میدانِ جنگ میں قتال کے دوران بھی احسان سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

عبادات میں احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا پھر یہ احساس کر رہا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ اللہ کی نگرانی میں ہے۔

ذبح و قتال میں احسان یہ ہے کہ چھری کو تیز کر لیا جائے اور جانور کو آرام پہنچایا جائے۔

والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے سامنے اونچی آواز سے گفتگو نہ کی جائے اور انہیں اُف بھی نہ کہا جائے۔

بیوی کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ناچاقی اور نااتفاقی کے بعد بھی مرحلہ وار ایک ایک کر کے دو طلاقیں دی جائیں اور پھر غیر جذباتی انداز میں عقل و شعور کے ساتھ بالآخر احسان کے ساتھ جدائی اختیار کر لی جائے۔

عبادات کے احسان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ نماز میں اللہ کا خشوع اختیار کیا جائے۔ خشوع دل و دماغ کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے، جس کے اثرات تمام اعضائے بدن پر مرتب ہوتے ہیں۔ سورۃ المومنون کے آغاز ہی میں ارشاد ہوا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾ (المومنون:2-1)

"بلاشبہ، ایمان لانے والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

- نبوی روحانیت میں نفس کا تزکیہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

تزکیہ دو (۲) چیزوں سے عبارت ہے، فروغِ ذات اور تحسین ذات۔ انسان اپنے نفس کو درجہ بدرجہ اس طرح ترقی دے کہ وہ روز بروز اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کا زیادہ سے زیادہ تابع ہوتا جائے۔ قرآن اور سنّت کے علم میں بتدریج اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے عمل اور رویوں میں بہتری آتی جائے۔ اس کی ذات اور اس کا نفس بڑھتا جائے اور اس میں خوبصورتی پیدا ہوتی جائے۔

- نبوی روحانیت ترکِ دنیا کا نام نہیں ہے۔ یہ زندگی اور زندگی کے مسائل سے فرار کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ قرآن و سنّت کی روشنی میں کاروبارِ زندگی میں بھرپور حصّہ لینے کا نام ہے۔ یہ دنیا کو آزمائش اور امتحان سمجھتے ہوئے، فکرِ آخرت کے زندہ تصوّر کے ساتھ، زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، شرمگاہ، اور دیگر اعضائے بدن کو قابو میں رکھنے کا نام ہے۔ اس کے لئے دل کی زندگی ضروری ہوتی ہے۔ دل اگر بیدار ہو اور نیّت صحیح ہو تو دیگر اعضاء کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دماغ کو حاضر رکھنے سے عبارت ہے، جو وحی کے علم سے معمور اور سرشار ہو۔ نہ صحیح علمِ قرآن و سنّت کے بغیر تزکیہ ممکن ہے اور نہ نیّت کی پاکیزگی کے بغیر۔ تزکیہ فرد کا بھی ہے اور اداروں کا بھی۔

- نبوی روحانیت زندگی کے تمام معاملات میں توازن اور اعتدال کا نام ہے۔ فکر میں توازن، اوقات میں توازن، اِنفاق میں توازن، عبادات میں توازن، معاملات میں توازن، وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برخلاف رہبانیت عدمِ توازن، عدمِ اعتدال اور انتہا پسندی کا نام ہے۔ یہ بعض ضروری چیزوں کو چھوڑ دینے اور بعض ضروری چیزوں کو ضرورت سے زیادہ کرنے اور تمام حدوں کو پامال کرنے کا نام ہے۔

- نبوی روحانیت، راہبوں کی طرح دنیا سے لاتعلق ہو کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے کا نام نہیں ہے، بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ، دفتر میں ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے، کھیتوں، کھلیانوں اور بازاروں میں رزقِ حلال کماتے ہوئے، یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی جہاد و قتال کرتے ہوئے، ذکر کرنے اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے اور اللہ کے احکامات کو یاد رکھنے کا نام ہے۔ بالخصوص، ﴿اللہ اکبر﴾ کے الفاظ سے اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف، ﴿سبحان اللہ﴾ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی بے عیبی کا اعتراف، ﴿الحمد للہ﴾ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر کا اظہار، ﴿لا الہ الا اللہ﴾ کے الفاظ سے توحیدِ الوہیت کا اظہار، ﴿استغفر اللہ﴾ کے الفاظ سے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی اور طلبِ مغفرت کی خواہش کا اظہار، ﴿اللھم صل علی محمد و علی آلِ محمد و بارك وسلم﴾ کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت اور شیفتگی اور اتباع کی خواہش کا اظہار ہے۔

مضبوط سمع و طاعت کا نظام، اسلامی ہے۔ انتشار کا نام جاہلیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے حکمران اور امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا، وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے پاس کوئی عذر اور دلیل نہیں ہو گی۔ جو اس حال میں مرا کے اُس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ ہو، تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔“

(صحیح مسلم، حدیث: 4,793، عن عبد اللہ بن عمرؓ)

اُصول نمبر : 19

۱۹۔ ہم تجدید پر ایمان رکھتے ہیں اور تجدد کے خلاف بر سر پیکار ہیں:

اسلامی تحریک، تحریکِ تجدّد نہیں ہے، بلکہ یہ تحریکِ تجدید ہے۔ امتِ مسلمہ کو بیدار کرنے کی تحریک ہے۔ امتِ مسلمہ کو قرآن وسنّت کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے کی تحریک ہے۔

"تجدّد" یہ ہے کہ دین کا حلیہ بگاڑ دیا جائے۔ حرام و حلال کی پابندیاں ختم کر دی جائیں۔ شرعی قوانین کی اہمیت کو گھٹا دیا جائے۔ بد قسمتی سے امت میں ایسے متجد دین پیدا ہوئے، جنہوں نے غالب قوتوں اور غالب تہذیبوں سے مرعوب ہو کر تحریفِ دین کے راستے کھول دیئے۔

ہندو تہذیب سے متاثر ہو کر اکبر اعظم نے دینِ الٰہی کا شوشہ چھوڑا۔ دیوالی، دسہرا اور دیگر تہوار منائے جانے لگے۔ انگریزوں سے مرعوب لوگ مغربی ادب، مغربی ثقافت، مغربی تہذیب اور دیگر مظاہر کو گلے سے لگانے لگے۔

متجدد حضرات میں سے کوئی سود کو حلال کرتا ہے تو کوئی موسیقی کو۔ کوئی رجم کا انکار کرتا ہے تو کوئی خواتین کے احکام ستر وحجاب کا۔ کوئی معجزات کا انکار کرتا ہے تو کوئی صحیح اور ثابت شدہ احادیث کا۔ کوئی قرآن کی من مانی باطل تفسیر کرتا ہے تو کوئی ڈھونڈ ڈھونڈ کر تفردات سامنے لے آتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

"تجدید" یہ ہے کہ مسلمانوں میں دوبارہ ایمان کی روح پھونکی جائے۔ مسجدیں آباد کی جائیں، لوگوں کو ارتداد سے بچایا جائے، عربی زبان کی تعلیم کی اہمیت اجاگر کی جائے۔ قرآن کے ترجموں کو عام کیا جائے۔ حدیث کی امہاتِ الکتب کو شائع کیا جائے اور بڑے پیمانے پر پھیلایا

جائے۔ اسلامی قوانین کے فیوض و برکات سے امت کو آگاہ کر کے ان کے نفاذ کی راہ ہموار کی جائے۔ حرام و حلال کی تمیز عطا کی جائے، بندگانِ خدا کو خدائی احکام پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس امت میں مصلحین اور مجددین پیدا ہوتے رہیں گے۔

قرآنِ مجید بھی اس عظیم راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

(الحدید:17)

" خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو بلاشبہ اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے، ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھادی ہیں۔شاید کہ تم عقل سے کام لو۔"

تجدیدِ دین کا کام دلوں کی مردہ زمین کی آبیاری ہے۔ یہ موسم خزاں میں، موسم بہار کی نوید ہے۔ عقلمند اور خوش نصیب لوگ اس راز کو پالیتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے تمام وسائل سے کام لیتے ہوئے اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براہونے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

یہ کارِ تبلیغ ہے۔ دعوت کا کام ہے۔ یہ کارِ نبوت ہے۔

تجدید کی نوعیتیں:

تجدید کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اِسلامی علوم کا اِحیاء، حکومت کی اصلاح، عقائد کی تطہیر، خارجی پیوندکاری سے نجات وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (ولادت:60ھ۔وفات:101ھ) مشہور تابعی ہیں اور بنو اُمیہ کے نامور خلیفہ۔ 99ھ میں خلیفہ بنائے گئے اور ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد 101ھ

میں انتقال فرمایا۔ انہیں پہلی صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے حکومت اور طرزِ حکومت میں اصلاح کی تدابیر اختیار کیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت امام شافعیؒ (ولادت:150ھ ۔ وفات :204ھ) کو دوسری صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔

امام شافعیؒ نے پہلے مکی روایات واحادیث پر عبور حاصل کیا۔ پھر امام مالکؒ سے مدینہ جا کر مدنی آثار واحادیث کا علم حاصل کیا۔ پھر کوفہ، بصرہ، بغداد اور یمن کے کئی سفر کیے۔ عراقی اور یمنی آثار و احادیث اور طرزِ استنباط سے آگاہی حاصل کی ۔ پھر ایک جامع علم کی روشنی میں بغدادی فقہ مرتب کی۔ آخری 6 سال مصر میں گزارے، جہاں "فقہ جدید" مرتب کی۔ ہر شہر کی صحیح روایات کو جمع کر کے قوی اور راجح بنیادوں پر کام کرنے کے لیے اگلے فقہاء و محدثین کے لیے بنیاد فراہم کی۔

ہمارا دور تقاضا کرتا ہے کہ ہم قرآن اور صحیح و ثابت شدہ احادیث کی بنیاد پر افکار و علوم کی تطہیر کریں۔ علم و عمل کو بدعات سے پاک کریں۔ ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے سر گرم عمل ہو جائیں۔ یہی کار تجدید ہے، اگرچہ کے ہر علاقے کے چیلنجز مختلف ہوتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

لالچی کو اسلامی حکومت کا عہدہ نہیں دیا جاتا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"جو عہدے کی خواہش کرتا ہے، اُسے ہم اپنی حکومت کے کام میں ذمہ داری نہیں سونپتے۔"

(صحیح مسلم، حدیث:4,718، عن ابی موسیٰ اشعریؓ)

اُصول نمبر : 20

۲۰۔ ہم اِحیائے سنّت پر یقین رکھتے ہیں اور بدعات کو مٹانا چاہتے ہیں:

اسلامی تحریک اِحیائے سنّت پر یقین رکھتی ہے اور بدعات کو مٹانا چاہتی ہے۔

سنّت ایک عالمی اور بین الاقوامی استعارہ ہے، اس کے برخلاف بدعات مقامی ہوتی ہیں، ہر ملک اور ہر شہر کی اپنی بدعتیں ہوتی ہیں۔

سنّت وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔

بدعت فکری اور اعتقادی بھی ہوتی ہے اور عملی بھی۔ سنّت اور بدعت دونوں کا تعلق صحیح اور غلط عقیدے سے ہوتا ہے۔ بہت ساری بدعتیں غلو کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔

بعض لوگ بدعات کے سلسلے میں کنفیوژن کا شکار رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ موبائل، کمپیوٹر، گاڑی، ہوائی جہاز اور دیگر نئی ایجادات کیا بدعت نہیں ہیں؟ پھر کیوں کہا جاتا ہے کہ عیدِ میلاد، سوئم، چہلم، برسی، وغیرہ بدعات ہیں؟ معلوم ہونا چاہیئے کہ احکام کے دو دائرے ہیں، عادات کا دائرہ اور عبادات کا دائرہ۔

عادات کے دائرے میں اُصول یہ ہے کہ ہر نئی چیز اور نیا اضافہ بدعت قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ صرف اُس کی روحِ اسلام کے مطابق مطلوب ہے۔ چنانچہ کھانوں میں بریانی، برگر، پیزا، وغیرہ وغیرہ کو اور لباس میں ساڑھی، دھوتی، پینٹ شرٹ، وغیرہ وغیرہ کو بدعت نہیں سمجھا جائے گا، بشرطیہ کہ کھانا حلال ہو۔ اللہ کے نام کا ذبیحہ ہو اور لباس ستر پوش ہو، ڈھیلا ڈھالا ہو، باریک نہ ہو موٹا ہو، غیر مسلموں کے شعائر سے مشابہ نہ ہو، مردوں کا عورتوں سے اور عورتوں کا مردوں سے مشابہ نہ ہو۔ اس طرح کی اُصولی پابندی کے اہتمام کے بعد، بقیہ ساری چیزیں بدعات کے دائرہ سے خارج ہو جاتی ہیں۔

عبادات کے دائرے میں اُصول یہ ہے کہ ہر نئی چیز اور ہر نیا اضافہ بدعت ہے۔ اس کی روح بھی من و عن سنّت کے مطابق اور اس کا جسم بھی۔ نماز ہو یا حج، سجدہ ہو یا رکوع، دعا ہو یا اور کوئی خاص عبادت، سنّتِ رسول ﷺ کی پیروی لازمی اور ضروری ہو گی۔ سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے گا، تشہد میں مخصوص انگلی ہی اٹھائی جا سکتی ہے، قیام میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو گا۔ یہ وہ مقامات ہیں، جہاں سنّتِ رسول ﷺ سے معمولی انحراف بھی بدعت شمار ہو گا اور موجبِ خسران بن جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر:7)

"جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم لوگوں کو روکیں، اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:80)

"جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِى النَّارِ﴾

(سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین، باب 22، حدیث 1577)

"ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے کا باعث ہو گی۔"

ایک بدعتی لیڈر کا انجام:

عَمْرو بْنَ عَامِرِ بنِ لُحَيِّ الْخزَاعِيّ، رسول اللہ ﷺ سے 300 سال پہلے قریش کا ایک بدعتی لیڈر گزرا ہے، اسی نے بنی اسماعیل میں بت پرستی اور شرک کو عام کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ:

﴿رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ بنِ لُحَيِّ الْخزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّار وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ﴾ (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب 9، حدیث 3521)

" میں نے (دوزخ میں) عمرو بن عامر بن الحی الخزاعی کو دیکھا، جو اپنی آنتیں آگ میں کھینچ رہا تھا، یہی وہ شخص تھا، جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑنے کی بدعت ایجاد کی تھی۔"

سائبہ (جمع السَّوَائِب) سے مراد، وہ اونٹنی یا جانور ہے، جو قبل از اسلام بتوں کی منت کے آزاد چھوڑ دی جاتی تھی، اس پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھا جاتا تھا۔

کسی بدعتی آدمی کی تعظیم وتوقیر جائز نہیں:

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ. فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدمِ الْإِسْلَامِ﴾ (البیہقی)

"جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی، اس نے بلاشبہ اسلام کی عمارت کے انہدام میں مدد کی"

اُصول نمبر : 21

۲۱۔ ہم اِجماعِ امّت پر یقین رکھتے ہیں:

اسلامی تحریک اجماعِ امتؑ پر یقین رکھتی ہے۔ وہ مشترکات پر امت کو متحد اور متفق کرنے کا فریضہ انجام دینا چاہتی ہے۔ علماء کی شخصی اور انفرادی رائے اس وقت تک باوزن نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسے پوری امت کے علماء اور مجتہدین کی طرف سے قبولیت نہ حاصل ہوجائے۔ بے شمار امور ایسے ہیں، جن پر اہلِ سنّت والجماعت کا اتفاق ہے۔ جیسے: پنج وقتہ نماز کی فرضیت، رمضان کے روزوں کی فرضیت، رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت پر ایمان، وغیرہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ لَنْ تَجْتَمِعَ اُمَّتِي عَلٰى ضَلَالَةٍ ﴾ (مسند احمد)

"میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی۔"

یعنی کہیں کسی جگہ بدعت کا آغاز ہوجائے تو امت کے اندر ہمیشہ ایسے افراد موجود رہیں گے، جو انہیں روکیں گے اور ٹوکیں گے۔ ساری کی ساری امت اور اس کے تمام علماء اور صالحین کا کسی بدعت پر اتفاق کرلینا ممکن ہی نہیں۔

اُصول نمبر : 22

۲۲۔ تحریک، رسول اللہ ﷺ کی عالم گیر امّت کی بیداری کی خواہاں ہے:

اسلامی تحریک، مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ رنگ و نسل اور وطن و زبان کے اختلاف کے باوجود آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایمان کا یہ رشتہ دودھ اور خون کے رشتوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ رنگ و نسل کے امتیازات پر یہ غالب آجاتا ہے۔ وطنی اور لسانی تعصبات کو یہ شکست دیتا ہے۔ یہ عالم گیر برادری آخری نبی اور رسول محمد ﷺ سے اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات سے محبت کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے تمام انسانوں کی تین قسمیں ہیں۔ مومنین، کافرین اور منافقین۔ مومنین ہی فلاح پانے والے ہیں۔ کافرین اور منافقین ذلت اور رسوائی سے دوچار ہوں گے۔

خدائے واحد پر ایمان اور آخری رسول ﷺ پر ایمان یہ تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان نہ صرف بھائی بھائی بن کر رہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کے اصلاح کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے تقوے کی روشنی میں پروان چڑھتا ہے۔ امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس عالم گیر اخوت کے اہتمام اور امت کے اختلافات کی صورت میں اصلاحِ احوال کے لئے کس قدر جدوجہد کرتے ہیں؟

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الحجرات:10)

”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“

اُصول نمبر : 23

۲۳۔ اسلامی تحریک، اتحادِ امّت کی داعی ہے:

اسلامی تحریک اتحادِ امت کی داعی ہے۔ وہ اعتصام کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس اتحاد و اتفاق کی دعوت دی ہے، وہ غیر مشروط نہیں ہے، بلکہ دو چیزوں سے مشروط ہے۔

پہلی چیز ﴿حَبۡلُ اللّٰهِ﴾ ہے اور دوسری چیز ﴿جَمِيۡعًا﴾ ہے۔

﴿حَبۡلُ اللّٰهِ﴾ سے مراد، اللہ کی رسی ہے۔ یہ محض اتحاد برائے اتحاد نہیں ہے بلکہ اللہ کی رسی پر اتحاد اور اعتصام ہے۔ یہ محض چند لوگوں کا اتحاد نہیں ہے، بلکہ ساری امت کا اتحاد ہے۔ ایجابی حکم کے بعد، سلبی حکم بھی دیا گیا کہ ﴿وَلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ نے اپنا احسان جتایا کہ لوگ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، اس کی خاص نعمت کے نتیجے میں وہ بھائی بھائی بن گئے۔ اللہ نے ان کو دوزخ کی آگ سے بچایا اور مسلمانوں کی ہدایت کے لئے آیاتِ اتحاد و اتفاق کو وضاحت کے ساتھ امت کے سامنے رکھ دیا۔ سورت آلِ عمران میں ارشاد ہوا:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ﴾

(آلِ عمران:103)

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور

اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔"

اسی سورت میں آگے چل کر مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف گروہوں میں نہ بٹ جائیں۔

اختلافات کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

پہلا اختلاف نیک نیتی کے ساتھ غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ایسے اختلاف کی اصلاح ممکن ہے۔ دوسرے قسم کا اختلاف وہ ہوتا ہے جو ﴿ الْبَيِّنٰتُ ﴾ یعنی صاف صاف محکم اور پختہ غیر مبہم احکامات کے بعد فسادِ نیت کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ یہی دوسرے قسم کا اختلاف، وہ اختلاف ہے جس میں بالخصوص یہود مبتلا ہوئے اور جن کے بارے میں اللہ نے صراحت کردی کہ انہیں ﴿ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ سے دوچار کیا جائے گا۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ (آلِ عمران:105)

" اے مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جو تفرقہ میں پڑ گئے اور واضح تعلیمات کے آنے کے باوجود اختلافات میں گرفتار ہوگئے، ایسے ہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔"

اُصول نمبر : 24

۲۴۔ اسلامی تحریک، دین کی ترجیحات کا واضح تصور رکھتی ہے:

اسلام نے بہت سارے معاملات میں زیادہ اہم اور کم اہم امور کا تعین کر دیا ہے۔ اوامر میں زیادہ اہم کو فرض و واجب کے درجے میں رکھا گیا ہے اور کم اہم کو مستحبات کے درجے میں۔ ٹھیک اسی طرح نواہی میں زیادہ اہم کو حرام کے دائرے میں رکھا گیا ہے اور کم اہم کو مکروہات کے دائرے میں۔ گناہوں میں کبائر بھی ہیں اور صغائر بھی۔ کبائر میں شرک کو "اکبر الکبائر" کہا گیا ہے۔

اسلامی تحریک اس درجہ بندی کا واضح شعور رکھتی ہے۔ بد قسمتی سے امتِ مسلمہ میں ایسے رجحانات پیدا ہوئے کہ لوگ نوافل کو فرائض کا درجہ دینے لگے اور فرائض کی اہمیت کو گھٹانے لگے۔ مکروہات کو حرام کا درجہ عطا کیا گیا اور حرام کو مکروہات کے دائرے میں لایا گیا، جبکہ حلال بالکل واضح اور حرام بالکل واضح ہے۔ متشابہ چیزوں کا علم بڑے علماء رکھتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں واضح طور پر خوش خبری دی ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء:31)

"اگر تم (مسلمان) ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو گے، جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم مٹا دیں گے اور تم لوگوں کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔"

اُصول نمبر : 25

۲۵۔ اسلامی تحریک، اُولو االامر کی اِطاعت اور سمع وطاعت کے مضبوط نظام کی اہمیت کو سمجھتی ہے:

اسلامی تحریک اچھی طرح جانتی ہے کہ مسلمان سمع وطاعت کے نظام سے بہت حد تک آزاد ہو چکے ہیں۔ انہیں ایسے امیر کی ماتحتی میں زندگی گزارنی چاہیئے جو انہیں معروفات کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اجتماعی نظم میں شریک ہونا چاہیئے۔ یہ چیز تقاضا کرتی ہے کہ ان کا ایک ایسا امیر ہو جو صاحب علم ہو اور صاحب تقویٰ ہو۔ قرآن وحدیث کے مطابق ان کی رہنمائی کرتا ہو۔

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (النور:51)

" ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:59)

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کر لی تو آپؓ نے خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! میں تم لوگوں پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں تھا۔ اگر میں صحیح کام کروں تو مدد کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے درست کرو۔ صدق ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارا سب سے کمزور آدمی میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے، جب تک میں ان شاء اللہ اس کا حق اسے نہیں دلا دیتا۔ تمہارا سب سے قوی آدمی میرے نزدیک اس وقت تک نہایت کمزور ہے، جب تک میں اس سے اس کا حق نہیں لے لیتا ان شاء اللہ۔ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے تو وہ اسے ذلت کے ساتھ بے سہارا چھوڑ دیتا ہے۔ جس قوم نے فحاشی پھیل جاتی ہے وہاں اللہ کی طرف سے بلائیں عام کر دی جاتیں ہیں۔''

﴿اَطِيْعُوْنِي مَا اَطَعْتُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ،

فَاِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ﴾ (سیرت ابن ہشام)

''میری اطاعت اس وقت تک کرو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور اگر میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو تم لوگوں پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔''

اُصول نمبر : 26

۲۶۔ اسلامی تحریک، مشاورت کے اسلامی اصولوں کی پاسداری کرتی ہے:

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

"(اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے،"

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ

ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو،

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ (آلِ عمران:159)

پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ "

اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے انتہائی نرم مزاج واقع ہوئے تھے۔

۲۔ امیر کو اپنے مامورین پر نرم مزاج واقع ہونا چاہیے۔

۳۔ نرم مزاجی اللہ کی خاص رحمت ہے۔

۴۔ دل کی سختی اور تند خوئی سے اجتماعیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

۵۔ امیر کی سختی اور سنگ دلی سے، لوگ اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیتے ہیں، بغاوتیں جنم لیتی ہیں۔

۶۔ امیر کو عفو در گزر سے کام لینا چاہیے۔

۷۔ امیر کو چاہیئے کہ وہ اپنے مامورین اور اپنے ماتحتین کی مغفرت کے لئے مستقل دعا کرتا رہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام اہم معاملات میں (جہاں اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کریں۔

۹۔ مشاورت کے چار ترتیبی مراحل ہیں۔ اس ترتیب کو الٹا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلے مشورہ کیا جائے۔ مشورے کے بعد فیصلہ کیا جائے۔ فیصلے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے۔ توکل کے ہی نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت متوکلین کو نصیب ہوتی ہے۔

۱۰۔ مشورہ ایک تدبیر ہے۔ تدبیر کے بعد توکل کیا جاتا ہے توکل کے بعد تدبیر نہیں کی جاتی۔

۱۱۔ اسلام میں ڈکٹیٹر شپ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۲۔ مشاورت اسلامی اخوت کو مضبوط اور مستحکم کرتی ہے۔ مشاورت کے نتیجے میں کسی بھی معاملے کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ نقصانات اور فوائد کو دیکھا جاسکتا ہے اور یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ نقصانات زیادہ ہیں یا فوائد۔

۱۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے امیر کی اطاعت کی، بلاشبہ اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی، دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جس نے امیر کی نافرمانی کی، دراصل اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔“

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب 8، حدیث 1835)

۱۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی صحابیٔ رسول کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"

(ترمذی: حدیث 1734)

سورۃ الشوریٰ میں نماز اور اِنفاق کے حکم کے درمیان شورائیت کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (الشوریٰ:38)

" جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں "

اس سے یہ قاعدہ معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کے تمام اہم معاملات کا مشورے سے چلایا جانا ضروری ہے، کیونکہ فردِ واحد کتنا ہی قابل اور عالم کیوں نہ ہو، عقلِ کُل نہیں ہو سکتا۔ جس مسئلہ میں مشورہ طلب کیا جائے، اس میں اس امر کے ماہرین کی رائے کا لیا جانا ضروری ہے۔ مشورہ دینے والا صاحب الرائے ہو، صاحبِ علم ہو اور صاحبِ تقویٰ ہو۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے یہ مشاورتی رویۓ آکسیجن کا درجہ رکھتے ہیں۔

اُصول نمبر : 27

۲۷۔ اسلامی تحریک، قرآن وسنّت کے کسی بھی حکم پر شرمندہ نہیں ہو سکتی:

اسلامی تحریک مداہنت پر یقین نہیں رکھتی۔ وہ لین دین اور (give & take) دو اور لو کی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہوتی۔ اسے پورا یقین ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر ثابت شدہ بات سچی اور من جانب اللہ ہے۔ مشرکین مکہ نے پیشکش کی ایک سال ان کے بتوں کی عبادت کی جائے اور ایک سال اللہ تعالیٰ کی۔ اس پیشکش کا صاف اور دوٹوک انداز میں جواب دے دیا گیا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون:6)

"تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

اسی طرح سورۃ القلم میں مداہنت کے رویئے کو مسترد کر دینے کا مطالبہ کیا گیا، کیونکہ اسلام کا دشمن یہی چاہتا ہے۔

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ (القلم:9)

"یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔"

اسلامی تحریک اور اس کے کارکن قرآنِ مجید کی کسی بھی آیت اور کسی صحیح اور ثابت شدہ حدیثِ نبوی ﷺ پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ مداہنت کا رویہ اختیار نہیں کرتے۔ معذرت خواہانہ طرزِ عمل نہیں اپناتے، بلکہ نہایت شاداں و فرحاں رہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آخری وحی کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس آخری امانت کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی ہے۔

اُصول نمبر : 28

۲۸۔ ہم اعتدال پر یقین رکھتے ہیں، ہم انتہا پسند نہیں ہیں:

بنی اسرائیل کی امامت 1900 ق۔م سے لے کر 610 عیسوی تک تقریباً 2500 سال تک قائم رہی۔ ان کے سر پر ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾ کا تاج رہا۔ یہ دنیا کی سب سے بہترین قوم تھی۔ اللہ نے اس پر بڑے احسان کئے، لیکن اپنی نافرمانیوں کے سبب یہ معزول (Impeach) کی گئی۔ یہ ایک انتہا پسند قوم تھی۔ انہیں برطرف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے امامت اور قیادت کی ذمہ داری امّتِ مسلمہ کے سپرد کی اور انہیں نہ صرف ﴿خَيْرُ اُمَّةٍ﴾ کہا گیا، بلکہ ایک معتدل اور متوازن قوم ہونے کے ناطے ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ کے خطاب سے نوازا گیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَي النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:143)

” اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک معتدل اور متوازن ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ بنایا ہے، تاکہ تم مسلمان دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم لوگوں پر گواہ ہو جائیں۔“

معاملہ عقائد کا ہو یا عبادات کا، مسئلہ حلال و حرام کا ہو یا نکاح و طلاق کا،
دینِ اسلام اعتدال سے عبارت ہے۔ انتہا پسندی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اُصول نمبر : 29

۲۹۔ ہم خود احتسابی پر یقین رکھتے ہیں:

اسلامی تحریک، احتساب پر یقین رکھتی ہے۔ اِنفرادی احتساب بھی اور اجتماعی احتساب بھی۔ ہر حاکم، ہر عامل، ہر صاحبِ منصب، ہر امیر، نہ صرف اللہ کے سامنے جوابدہ ہے، بلکہ مسلمانوں کے سامنے بھی۔

تحریک کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ روزانہ سونے سے پہلے آج کے اعمال کا جائزہ لے اور خود اپنا احتساب کرے کہ آج اس نے اللہ کے احکامات کی کون کون سی خلاف ورزیاں کی ہیں؟ کہاں کہاں زبان، قلم اور روپے کا غلط استعمال کیا ہے؟ احساسِ ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور آنے والے کل کو آج سے بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

اجتماعی طور پر بھی اسلامی تحریک کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ماہانہ بنیادوں پر یا سالانہ بنیادوں پر اپنا احتساب کرتی رہے کہ اس نے کون کون سے فیصلے غلط کئے ہیں؟

کن کن فیصلوں پر عملدرآمد نہیں ہو سکا ہے؟ اور کیوں؟

کیا فیصلہ سازی میں ہم سے کوئی کہیں غلطی ہوئی ہے؟

اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

تحریک کی قیادت بھی اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور خامیوں کا مسلسل جائزہ لیتی رہتی ہے۔

اللہ سے توبہ و استغفار کرتی ہے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کے لئے ہمیشہ تیار اور آمادہ رہتی ہے۔ خوفِ قیامت ہی وہ چیز ہے، جو فرد اور قیادت دونوں کو احتساب کے لئے تیار کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو! ہر نفس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ

اس نے کل (یعنی روزِ قیامت) کے لیئے کیا سامان کیا ہے؟

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الحشر:18)

اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً تمہارے ان سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

بلاشبہ روزِ قیامت سب کا محاسبہ ہوگا:

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نہ صرف ہمارے ظاہری اعمال کا محاسبہ کرے گا، بلکہ وہ ہماری نیتوں کو بھی دیکھے گا۔ فرمایا گیا:

﴿وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ﴾ (البقرۃ:284)

"لوگو! جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، خواہ تم اسے ظاہر کردو، یا چھپالو (کوئی فرق نہیں پڑے گا)۔ اللہ تعالیٰ تو ان سب کا محاسبہ کرکے رہے گا۔"

اللہ تعالیٰ ہم سے آسان معاملہ کرے اور آسان حساب لے۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں:

﴿اللَّهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَسِيرًا﴾ "اے اللہ! ہم سے آسان حساب لے۔"

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا، وہ مصیبت میں ہوگا۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابُ عُذِّبَ﴾ (البخاری:6171)

"جس سے حساب لیا گیا، وہ عذاب سے دوچار کیا گیا۔"

○ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد، اپنے پہلے خطاب ہی میں فرمایا:

”لوگو! میں تم لوگوں پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں تھا۔ اگر میں صحیح کام کروں تو مدد کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے درست کرو۔ صدق ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارا سب سے کمزور آدمی میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے، جب تک میں ان شاء اللہ اس کا حق اسے نہیں دلا دیتا۔ تمہارا سب سے قوی آدمی میرے نزدیک اس وقت تک نہایت کمزور ہے، جب تک میں اس سے اس کا حق نہیں لے لیتا ان شاء اللہ۔ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے تو اللہ اسے ذلت کے ساتھ بے سہارا چھوڑ دیتا ہے۔ جس قوم نے فحاشی پھیل جاتی ہے وہاں اللہ کی طرف سے بلائیں عام کر دی جاتی ہیں۔“

○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا﴾ (قولِ عمر رضی اللہ عنہ)

” اپنی ذات کا احتساب کرو، اس سے قبل کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔“

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

عہدہ طلب کرنے والے کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں ہوتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”اے عبدالرحمن (بن سمرہ) کبھی اِمارت طلب نہ کرنا۔ طلب کرنے پر اِمارت ملی تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔ (اللہ کی مدد نہیں ہو گی) اور اگر تمہیں بغیر مانگے ملے تو تمہاری (اللہ کی طرف سے) مدد کی جائے گی۔“

(صحیح مسلم، حدیث: 4,715، عن عبدالرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ)

اُصول نمبر : 30

۳۰۔ ہمارا سارا کام اخلاصِ نیّت پر انحصار کرتا ہے:

اسلامی تحریک کے اس سارے دعوتی اور تبلیغی کام کا انحصار اخلاصِ نیت پر ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ تو شہرت کے حصول کے لئے یہ کام کرتا ہے اور نہ دنیاوی مال و دولت کے حصول کے لئے۔ کسی عہدے اور منصب کے لئے بھی اس کی جدوجہد نہیں ہوتی۔ اسے بس ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ روزِ قیامت اللہ اس سے راضی ہو جائے اور وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔

دل کی پاکیزگی اس کام کے لئے پہلی شرط ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر یہ سلامت رہے تو سارا جسم سلامت رہتا ہے۔ اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو! وہ لوتھڑا دل ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

﴿مَثَلُ الْقَلْبِ مَثَلُ الرِّيشَةِ ، تُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ بِفَلَاةٍ﴾ (ابن ماجہ:88)

" دل کی مثال، پرندوں کے ایک پر کی سی ہے، جسے ہوائیں بیابان میں اڑائے پھرتی ہیں۔"

اس لئے دعوت و تبلیغ اور اقامۃ الدین کا کام کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ مسلسل اپنے نفس کا جائزہ لیتا رہے۔

ہوس چھپ چھپ کر سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ (صحیح البخاری: حدیث 1)

" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن بعض علماء، بعض شہید اور بعض فیّاض لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔

ریاکاری کا انجام:

ریاکاری ایک بہت بڑی نفسیاتی بیماری ہے۔ سیاست کا کوچہ ایک خاردار جنگل ہے۔ خلفائے راشدین نے خوفِ خدا کے ماتحت حکومت اور فرماں روائی کر کے قیامت تک کے مسلمانوں کے سامنے ایک اعلیٰ مثال رکھ دی ہے۔ اِقامتِ دین کا کام تقاضا کرتا ہے کہ انسان ہر کام اللہ کے لیے کرے۔ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا جہاد، دین کی تعلیم ہو، یا دین کے لیے مالی قربانی، غرض جو بھی کام کیا جائے، وہ صرف اور صرف اللہ کے لیے کیا جائے۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل ہوئی ہے، جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث ایک ریاکار شہید، ایک ریاکار عالم و قاری اور ایک ریاکار جواد کے بارے میں ہے، جو بظاہر تمام مدات میں رقم دیتا ہے۔

ریاکار شہید کا انجام:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ

”بلاشبہ قیامت کے دن سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی شہادت ہوئی تھی۔“

فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا،

”اُسے لایا جائے گا۔ اُسے اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی اور وہ اُن تمام نعمتوں کا اعتراف بھی کرے گا۔“

قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟

”پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: تو پھر تو نے ان نعمتوں کے سلسلے میں کیا عمل کیا؟“

قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ،

وہ کہے گا: ”میں نے تیرے لیے جنگ میں حصّہ لیا، یہاں تک کے شہید ہو گیا۔“

قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ فَقَدْ قِيلَ

اللہ فرمائے گا: ”جھوٹ کہا، بلکہ تو نے تو اس لیے جنگ کی کہ جری اور بہادر کہلایا جائے اور تجھے کہا گیا“ (دنیا میں شہرت مل گئی)۔

ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ،

پھر حکم دیا جائے گا اور اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

ریاکار قاریٔ اور عالِم کا انجام:

وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ

پھر اُس کے بعد دوسرا فیصلہ ایک ایسے آدمی کا ہو گا،

جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن مجید کی قراءت کی۔

فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا

اُسے لایا جائے گا۔ اُسے اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی اور وہ اُن تمام نعمتوں کا اعتراف بھی کرے گا۔

قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟

پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: ”تو پھر تو نے ان نعمتوں کے سلسلے میں کیا عمل کیا؟“

قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ،

وہ عالم و قاری کہے گا:

" میں نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور تیرے لیے قرآن کی قراءت کی۔"

قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ

اللہ فرمائے گا:" جھوٹ کہا، بلکہ تو نے تو اس لیے علم حاصل کیا کہ عالِم کہلایا جائے۔"

وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ

قرآن کی تلاوت اس لیے کی کہ قارِیٔ کہلایا جائے اور تجھے کہا گیا" (دنیا میں شہرت مل گئی)

ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ،

پھر حکم دیا جائے گا اور اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

ریاکار جوّاد کا انجام:

وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ

پھر اُس کے بعد تیسرا فیصلہ ایک ایسے امیر آدمی کا ہو گا، جس کو اللہ تعالیٰ نے کشادگی عطا فرمائی تھی اور ہر قسم کی دولت سے نوازا تھا۔

فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا

اُسے لایا جائے گا۔ اُسے اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی اور وہ اُن تمام نعمتوں کا اعتراف بھی کرے گا۔

قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟

پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا:"تو پھر تو نے ان نعمتوں کے سلسلے میں کیا عمل کیا؟"

قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ

وہ کہے گا: " میں نے اِنفاق کی کوئی مد نہیں چھوڑی، جس میں محض تیرے لیے میں نے چندہ نہ دیا ہو۔"

قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ

اللہ فرمائے گا: " جھوٹ کہا، بلکہ تو نے تو اس لیے خرچ کیا کہ جَوَاد (سخی، دریا دل اور فیاض) کہلایا جائے اور تجھے کہا گیا" (دنیا میں شہرت مل گئی)

ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ))

پھر حکم دیا جائے گا اور اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، حدیث: 4923، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ مجھے اور دنیا کے ہر مسلمان کو اور بالخصوص دعوت و تبلیغ میں مشغول و منہمک ہر تحریکی کارکن کو اخلاص کی دولت عطا فرمائے اور ریاکاری، بناوٹ اور تصنع کی تمام قسموں سے محفوظ رکھے۔ ہمارے ہر عمل کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا ذریعہ اور وسیلہ بنا دے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

خیر اور بھلائی کے کاموں کے لیے بیعت لی جا سکتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(فتح مکہ کے بعد مدینے کی طرف ہجرت) کی بیعت ہو چکی، البتہ اب اسلام کے لیے، جہاد کے لیے اور خیر اور بھلائی کے کاموں کے لیے بیعت ہو سکتی ہے۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 4,826، عن مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ)

خلیل الرحمن چشتی صاحب کی کتابوں کا مختصر تعارف

1۔ قواعدِ زبانِ قرآن (حصہ اوّل):

خلیل الرحمن چشتی صاحب کی قواعدِ زبانِ قرآن (اول و دوم) کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، نہایت ہی کم وقت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے، جبکہ کتاب دو ضخیم جلدوں پر یعنی ہر جلد تقریباً آٹھ سو (800) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں عربی کے قواعد بیان کرنے کے بعد، کثرت سے قرآنی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

یہ اللہ کے کلام کی برکت ہے اور اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لیے تعلیم یافتہ افراد میں پایا جانے والا شوقِ بے پایاں ہے۔ نئی زبان کو سیکھنا آسان کام نہیں ہے۔ گرائمر یعنی قواعد ایک خشک موضوع ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں مرتب نے قواعد کی تمام پرانی کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے اور ان سب سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد مولانا خالد مسعودؒ نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ مرتب نے طالب علم کی توجہ صرف اسی نکتے پر مرکوز رکھی ہے، جو وہ اسے پڑھانا چاہتا ہے۔ مرتب کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ نکتہ، وہ قاعدہ اور وہ کلیہ پوری طرح گرفت میں آجائے۔ مثالوں کی کثرت سے اس میں بڑی مدد ملتی ہے۔ حافظِ قرآن کے لیے تو یہ کتاب اکسیر ہے۔ تھوڑی سی محنت کرلے تو وہ تمام قواعد پر دسترس حاصل کرسکتا ہے۔ مرتب کے پیشِ نظر جدید تعلیم یافتہ افراد اور بالغ مبتدی ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر انہی کے لیے مفید ہے، لیکن دینی مدارس کے طلبہ بھی اس سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

2۔ قواعدِ زبانِ قرآن (حصہ دوم):

قواعدِ زبانِ قرآن حصہ دوم میں، ثلاثی مزید کے بارہ (12) ابواب میں ہر باب کی سات سات قسمیں، کئی کئی قرآنی مثالوں کے ساتھ کھول دی گئی ہیں اور حروف پر بحث کی گئی ہے۔ اردو زبان میں ہماری معلومات کی حد تک یہ پہلی مفصل کوشش ہے۔

3۔ قرآنی سورتوں کا نظمِ جلی:

اس کتاب میں قرآن کی تمام ایک سو چودہ (114) سورتوں کا نظمِ جلی (Macro-Structure) بیان کیا گیا ہے۔ ہر سورۃ کے مضامین کو مختلف پیراگرافوں میں تقسیم کر کے مرکزی مضمون کی وضاحت کی گئی ہے۔ سب سے پہلے سورت کے زمانۂ نزول کا تعین صحیح احادیث اور خود قرآن کی داخلی شہادتوں کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ صحیح احادیث کی روشنی میں بعض سورتوں کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ پچھلی سورت اور اگلی سورت سے کتابی ربط کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہر سورت کے اہم اور کلیدی الفاظ اور مضامین کو کھولا گیا ہے۔ ہر پیراگراف کا مختصر خلاصہ پیش کر کے آخر میں سورت کے مرکزی مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

4۔ آسان اُصول تفسیر:

قرآن فہمی کے سلسلے میں بعض اساتذہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا مقدمہ پڑھاتے ہیں، دوسری طرف ﴿الفوز الکبیر﴾ میں بیان کردہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے اُصول کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، تیسری طرف بعض اساتذہ نظمِ قرآن کے حوالے سے مولانا حمید الدین فراہیؒ کے اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہیں اور چوتھے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے چار بنیادی اصطلاحوں اور تفہیم القرآن میں تفسیر کا جو نیا منہج اختیار کیا ہے، وہ

بھی پیش نظر رکھتے ہیں، جس سے صحیح عقیدے اور اتباعِ سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ، قرآن کا سماجی، سیاسی اور معاشی شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا چار بزرگوں کے اُصولوں کو جمع کر کے یہ رسالہ ﴿آسان اُصولِ تفسیر﴾ مرتب کیا گیا ہے اور مثالیں دی گئی ہیں تاکہ قرآن کا طالبِ علم بڑی بڑی غلطیوں سے بچ سکے۔

5۔ درسِ قرآن کی تیاری کیسے؟

قرآن فہمی کے حوالے سے، ﴿قواعدِ زبانِ قرآن﴾ کے علاوہ، خلیل الرحمن چشتی صاحب کی دوسری اہم کتاب ﴿درسِ قرآن کی تیاری کیسے؟﴾ ہے۔ الحمدللہ اس کتاب کو بھی عوامی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ کسی مخصوص سورت کا درس دینا ہو، یا کسی موضوع پر قرآنی درس دینا ہو، دونوں صورتوں میں مدرس قرآن کے لیے یہ کتاب مفید ہے۔ چند مشہور اردو تفاسیر کا تعارف کرایا گیا ہے اور مدرس کے لیے معاون کتابوں کی رہنمائی بھی کی گئی ہے۔

6۔ سورۃ یٰس:

قرآنی سورتوں کے نظمِ جلی (Macro-Structure) اور نظمِ خفیف (Micro - Structure) کے تعارف کے لیے بطورِ مثال ﴿سورۃ یٰس﴾ کی تفسیر شائع کی گئی ہے، جو کورسز کے دوران میں پڑھائی جاتی ہے۔ چونسٹھ (64) صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ، سورت کے مرکزی مضمون، سورت کی صوتیات، سورت کی جلالی فضا، سورت کے مضامین اور سورت کی بلاغت پر بحث کرتا ہے۔ عربی متن کے ساتھ ترجمہ بین السطور ہے، درمیان میں عنوانات دے دیے گئے ہیں، تاکہ طالبِ علم مضامین کو بھی ساتھ ساتھ ذہن نشین کرتا جائے۔

7۔ قیادت اور ہلاکتِ اقوام:

فہم قرآن کے حوالے سے خلیل الرحمن چشتی صاحب کی ایک اور اہم کتاب ﴿قیادت اور ہلاکتِ اقوام﴾ ہے۔ جو لوگ توجہ سے اس کتاب کو پڑھیں گے، وہ قرآنِ مجید سے جدید دور کے مسائل کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کرنے کے فن سے انشاء اللہ آشنا ہو جائیں گے۔

دو سو(200) صفحات پر مشتمل یہ کتاب سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عدل پر روشنی ڈالتی ہے، پھر مختلف قوموں کی ہلاکت کی تاریخ بیان کرتی ہے، پھر ہلاکت کے بیس(20) سے زیادہ اسباب پر روشنی ڈالتی ہے۔ ہلاکت کے اصول، ہلاکت کے مقاصد اور ہلاکت کا طریقہ کار بیان کرنے کے بعد مسلم قیادت کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں قیادت کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔

8۔ حدیث کی اہمیت اور ضرورت:

اُصول حدیث اور اصطلاحاتِ حدیث بھی ایک ادق مضمون ہے۔ صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے ؟ حسن کسے کہتے ہیں ؟ ضعیف کی کتنی قسمیں ہیں۔ موضوع (Fabricated) احادیث کیا ہوتی ہے ؟ یہ کتاب ان سب کی وضاحت کرتی ہے۔ روایت احادیث کے سلاسل کو سمجھنا بھی ایک مبتدی کے لیے دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ اس فن کو بھی آسان کرنے کے لیے یہ کتاب ﴿حدیث کی اہمیت اور ضرورت﴾ مرتب کی گئی ہے۔

الحمد للہ اس کتاب کے بھی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور کئی مدارس کے نصاب میں بھی یہ کتاب شامل کر لی گئی ہے۔ انگریزی اور سندھی میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ سلاسل احادیث کو سمجھنے کے لیے آسان چارٹ بنا دیے گئے ہیں، تاکہ کتب مشہورہ کے راویوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک سند کے اتصال کو واضح کیا جائے۔ صحابہ ؓ تابعین ؒ، تبع تابعین ؒ اور

تبع تابعین اور دیگر مشہور محدثین کا اختصار سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ منکرین حدیث کے چند مشہور اور بنیادی اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ تین سو چوراسی (384) صفحات پر مشتمل دسواں ایڈیشن جدید اضافوں سے مزین ہے۔ مہران اکیڈمی شکار پور، سندھ نے اس کتاب کا سندھی ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔ انگریزی ترجمہ امریکہ اور کینیڈا میں مقبول ہے۔

9۔ معارفِ نبوی ﷺ:

حفظ کے مقصد کے تحت پانچ سو (500) سے زائد مختصر احادیث کا مجموعہ ﴿معارفِ نبوی ﷺ﴾ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ احادیث مختصر ہوں اور متنوع ہوں، تاکہ دین کا مجموعی نظام سامنے آجائے۔ اسلام، ایمان، وحی، علم، دعوت و تبلیغ، ارکانِ اسلام، احسان، اذکار و اوراد، معاشرت، اخلاقیات، معاملات، اجتماعیت، سمع و طاعت، امیر اور مامور کے فرائض، شورائیت اور جہاد کے موضوعات پر مبنی یہ کتاب تقریباً چار سو (400) صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی متن کی کتابت کرائی گئی ہے۔ اردو کے علاوہ انگریزی ترجمہ بھی کتاب کی زینت ہے۔ عام مسلمانوں کے علاوہ اردو میڈیم اور انگریزی میڈیم کے طلباء دونوں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ احادیث کی تخریج کر کے مکمل حوالے دیے گئے ہیں۔

نوجوانوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ہے، وہ ان چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو زبانی یاد کر کے رسول ﷺ اور آپ کی سنتوں سے محبت قائم کر سکتے ہیں۔

10۔ توحید اور شرک کی مختلف قسمیں:

عقیدۂ توحید پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ اسلام کے نزدیک یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے، جس کے بغیر کوئی انسان جنت میں داخل ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس

موضوع پر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی کتابیں دنیا میں بہت مشہور ہوئیں۔ دو سو (200) صفحات پر مشتمل یہ کتاب ﴿توحید اور شرک کی مختلف قسمیں﴾ اس لحاظ سے بہت ہی منفرد ہے کہ اس میں بنیادی طور پر قرآن مجید کی محکم آیات کی روشنی میں، توحیدِ ذات، توحیدِ اسماء وصفات، توحیدِ تنزیہہ، توحید صفتِ علم، توحیدِ صفتِ اختیار، توحیدِ اُلوہیت، توحیدِ ربوبیت، توحید دعائی، توحیدِ استغفار اور توحید تشریع یعنی توحیدِ حاکمیت پر مفصل بحث کر کے اس کے مقابل شرک کی مختلف قسموں کی وضاحت کی گئی ہے۔ جدید ایڈیشن میں مزید اضافے کیے گئے ہیں۔

11۔ رسالت اور منصبِ رسالت:

دین اسلام کو سمجھنے کے لیے عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ مختصر رسالہ، سب سے پہلے یہ بتاتا ہے کہ شاعر، عابد، جوگی، فلسفی اور نبی ورسول میں بنیادی فرق کیا ہوتا ہے۔ پھر رسولوں کے بارے میں قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت کرتا ہے کہ یہ کون ہوتے ہیں؟ یہ دنیا میں کس لیے آتے ہیں؟ رسولوں کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ آخر میں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذمہ داریوں اور اُن کی رسالت کی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔

12۔ آخرت اور فکرِ آخرت:

اس رسالے کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ رسالہ دنیا اور آخرت کی حقیقت بیان کرنے کے بعد آخرت کے مختلف مراحل سے بحث کرتا ہے۔ قبر کی زندگی، روز قیامت کی عدالت، جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں، دوزخ کی مادی اور روحانی سزائیں اس کتاب کے اہم ترین موضوعات ہیں۔ قرآن مجید کی محکم آیات کی روشنی میں، اُن بڑے بڑے گناہوں کی وضاحت کی گئی ہے جو دوزخ کے عذاب کا سبب بن سکتے ہیں۔

13۔ اسلام میں نجات کا تصور اور عقیدۂ شفاعت:

اسلام میں نجات (Salvation) کی تین (3) بنیادیں ہیں۔ اولاً ایمان اور صحیح عقیدۂ توحید، ثانیاً آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے مطابق اعمال، جنہیں قرآن ﴿الاعمال الصالحات﴾ کہتا ہے اور ثالثاً اللہ تعالیٰ کی رحمت یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی شفاعتِ عظمیٰ اور علمائ، شہدائ، صالحین وغیرہ کی شفاعت کیا مرتبہ اور مقام رکھتی ہے؟ یہ کتاب اس طرح کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ قرآن مجید اور صحیح اور مستند احادیث کی روشنی میں شفاعت کی مختلف نوعیتوں کی وضاحت کی گئی ہے اور اُن اعمال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جو قیامت کے دن ایک مسلمان کی سفارش اور شفاعت کریں گے۔

14۔ تزکیۂ نفس:

اصلاحِ ذات، فروغِ ذات اور تحسینِ ذات کے حوالے سے چشتی صاحب کی اہم ترین کتاب ﴿تزکیۂ نفس﴾ ہے۔ یہ کتاب تین مباحث پر مبنی ہے۔

(1) تزکیۂ نفس کا مفہوم اور ماہیت۔

(2) تزکیے کے اصول و قواعد

(3) تزکیۂ نفس کے حصول کی بارہ (12) عملی تدبیریں

تصوف اور تزکیۂ نفس کے سلسلے میں افراط و تفریط عام ہے۔ دو سو تیس (230) صفحات پر مشتمل اس کتاب میں، قرآن مجید کے محکم دلائل اور مستند اور صحیح احادیث کی روشنی میں فروغِ ذات اور تحسینِ ذات کے خالص مسنون طریقوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

15۔ مراسمِ نماز اور روحِ نماز:

نماز کے موضوع پر دنیا میں کئی ہزار کتابیں لکھی گئیں ہیں اور قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی، لیکن ایک سو اٹھارہ (118) صفحات پر مشتمل یہ کتاب، ایک منفرد چیز ہے۔ نہایت اختصار کے ساتھ نماز کے تمام ارکان کی ظاہری ہیئت کو صحیح اور مستند احادیث کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ ہر رکن کی معنویت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا اپنی نماز کے معیار (Quality) کو بہتر بنا سکے۔ جو شخص اس کتاب کی ساری مسنون دعاؤں کو یاد کرلے گا، ان کا ترجمہ ذہن نشین کرلے گا اور پھر خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنی نماز کو ادا کرنے کی کوشش کرے گا، وہ یقیناً دن بہ دن اپنی نماز کو بہتر بناتا جائے گا۔

16۔ انفاق فی سبیل اللہ:

توحید اور نماز کے بعد، انسان سے خالق کائنات کا تیسرا مطالبہ ﴿انفاق﴾ کا ہے۔ زکوۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ ایک سو بیالیس (142) صفحات پر مشتمل یہ کتاب اِمساک، بخل، شحِ نفس وغیرہ کی تعریف کرکے عام انفاق اور انفاق فی سبیل اللہ کے فرق کو نمایاں کرتی ہے۔ انفاق کے بنیادی اصول بیان کرنے کے بعد، فضائل انفاق، فلسفۂ انفاق، آدابِ انفاق، ترتیب انفاق، مقاصدِ انفاق، اوقاتِ انفاق اور مقدار انفاق جیسے موضوعات پر تفصیلی بحث کے بعد عدم انفاق کے عواقب ونتائج پر روشنی ڈالتی ہے۔

17۔ نمازِ تہجد:

ساٹھ (60) صفحات پر مشتمل یہ مختصر رسالہ، نمازِ تہجد کی اہمیت، فضیلت اور احکام و مسائل پر مشتمل ہے۔ نمازِ تہجد ایک مسنون عبادت ہے، ایک وسیلۂ تقرب ہے۔ یہ سامان فروغ ذات اور ذریعۂ تحسین ذات ہے۔ ایک اعلیٰ جذبۂ تشکر اور احساسِ عبودیت ہے۔ اپنی بے بضاعتی پر ایک احساسِ ندامت ہے۔ اللہ کی بے عیبی کا اظہار و اعتراف ہے۔ ایک وظیفۂ خواص و صالحین ہے۔ ایک نصابِ قیادت ہے۔ ایک مجلسِ تفقہ ہے۔ ایک محفلِ تدبر ہے۔ ایک علمی نشست ہے۔ ایک روحانی تربیت گاہ ہے۔

اسلامی قیادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تزکیۂ نفس اور فہمِ قرآن میں اضافہ کے لیے اس اہم ترین نفل، لیکن ضروری عبادت کی اہمیت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کرے۔

18۔ اعتکاف:

اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے، جس کے بے شمار فوائد ہیں۔ آخری عشرے کے اعتکاف کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر مل جاتی ہے۔ چھتیس (36) صفحات پر مشتمل یہ مختصر رسالہ اعتکاف کی اہمیت اور اس کے فضائل و احکام پر بحث کرتا ہے۔ اُس کے فوائد کی روشنی میں اس اہم ترین نفل عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔

19۔ تفسیرِ سورۃ مریم:

اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے، جس کے بے شمار فوائد ہیں۔ آخری عشرے

20۔ اسلامی تحریک کے بنیادی اصول:

تحریک اسلامی کیا ہے؟ تحریکی کارکن کے لیے تیس (30) بنیادی اصول، جن کی آگاہی کے بغیر تحریکی کام ممکن ہی نہیں ہے۔

21۔ مغربی ممالک میں تحریکی سرگرمیاں:

مغربی ممالک میں موجود تحریکی ساتھیوں کے لیے لائحہ عمل

22۔ اہل سنت والجماعت، دیگر فرقے اور اسلامی تحریکیں:

اُمت مسلمہ کو درپیش خارجی اور داخلی چیلنجوں کو سمجھنے کے لیے ایک اہم کتاب۔

تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کے لیے نہایت مفید۔

اسلام میں عہدے کا طالب نااہل ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اللہ کی قسم! ہم کسی کو حکومت کے اس کام پر کوئی عہدہ نہیں دیتے، جو عہدے کا طالب ہو۔ اور اُس شخص کو بھی جو عہدے کا حریص اور خواہش مند ہو۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 4,717، عن ابی موسیٰ اشعریؓ)

سخت گیر اور ظالم حکمران، بدترین لوگ ہوتے ہیں

حضرت حسن بصریؒ مشہور تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ صحابی حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کوفہ اور بصرہ کے اموی گورنر عبید اللہ بن زیاد (جو ناصبی اور حضرت علیؓ کا دشمن تھا) کے پاس گئے اور فرمایا:

" میرے بیٹے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "

﴿إِنَّ شَرَّ الرُّعَاءِ الْحُطَمَةُ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ﴾

بدترین راعی (امیر اور حکمران) وہ ہوتا ہے جو الْحُطَمَةُ سخت گیر اور ظالم ہو، لہٰذا تم ان میں شامل ہونے سے بچو!

عبید اللہ بن زیاد نے کہا:

"بلاشبہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے نُخَالَةٌ ہیں (یعنی چھلنی میں بچ جانے والی چیزیں، تنکے، پتھر، بوسہ وغیرہ)"۔

حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا؟

"کیا ان صحابہ میں کوئی نُخَالَةٌ بھی تھا؟

وہ تو صحابہؓ کے بعد کے لوگ تھے اور صحابہؓ کے علاوہ افراد تھے۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 4,733، عن حسن بصریؒ)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖
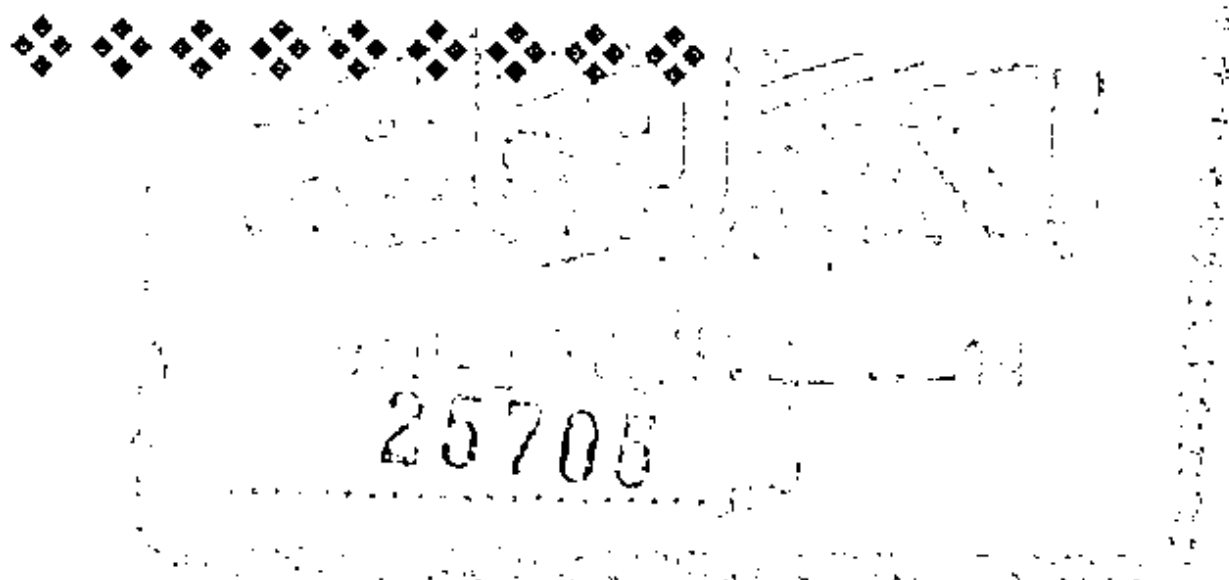
کتاب ھٰذا

ہر داعی، ہر مبلغ، ہر کارکن

اور ہر لیڈر کی ضرورت

خلیل الرحمٰن چشتی صاحب کا ایک مختصر لیکن جامع کتابچہ

جو بہت سے اہم سوالات اور اشکالات کا جواب دیتا ہے

- اسلام کیا ہے؟
- تحریک کیا ہے؟
- دین کیا ہے؟
- اقامت دین کا جامع مفہوم کیا ہے؟
- اسلامی اداروں کی تشکیل کیوں ضروری ہے؟
- تنظیم اور اجتماعیت کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟